4

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

26 جنوری تا یکم فروری 2006ء

www.tanzeem.org

اس شمارے میں

صدر مشرف کی مایوسی
سورۃُ البیّنہ
حکمراں ہے اک وہی
عجب ''آزاد محترمہ'' تھی
سلسلہ جنبانی
سید محمد حامد ابوالنصر
.... قرآں کو بدل دیتے ہیں
یادوں کی تسبیح (18)
تفہیم المسائل
دعوتی وتربیتی سرگرمیاں
عالم اسلام

ایمان ایک عظیم قوت

مومن کی قوت کا ماخذ اس کا حق وصداقت پر ایمان ہے۔ وہ خواہشِ نفس کے زیر اثر کوئی کام نہیں کرتا' نہ ذاتی منفعت' نہ جاہلی عصبیت اور نہ ظلم وزیادتی اس کے اعمال کی محرک ہوتی ہے۔ وہ اُس حق کے لیے سب کچھ کرتا ہے' جس پر سموات والارض قائم ہیں اور جہاں حق ہوگا وہاں کوئی دوسری چیز ٹھہر نہیں سکتی۔ ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿٨١﴾﴾ (بنی اسرائیل)

قادسیہ کی لڑائی میں حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کے سفیر ربعی بن عامر ؓ جب ایرانیوں کے سپہ سالار رستم کے پاس گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے خدم وحشم اور اس کے لشکری سونے چاندی میں لدے پھندے اس کے اردگرد دست بستہ کھڑے ہیں۔ مگر جناب ربعی بن عامر ؓ کسی چیز کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے آگے بڑھتے گئے اور اپنے کوتاہ قامت گھوڑے' اپنی موٹی چھوٹی ڈھال اور اپنے معمولی لباس کے ساتھ رستم کے پاس جا پہنچے۔ اس نے سوال کیا: تم کون ہو؟ اللہ کے اس بندے نے پوری قوت سے کہا:

''ہم ایک ایسی قوم ہیں جسے اللہ نے اس مقصد کے لیے مبعوث کیا ہے کہ ہم اس کی مخلوق کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ وحدہٗ لاشریک کی غلامی میں دے دیں' اور دنیا کی تنگی سے نکال کر کشائش سے ہمکنار کریں اور باطل ادیان اور طاغوتی قوتوں کے ظلم وجور سے بچا کر اسلام کے سایۂ رحمت میں لے آئیں۔ کشور کشائی ہمارا مقصد نہیں......''

ربعی بن عامر ؓ کے اندر یہ کیا چیز بول رہی تھی؟ رستم ایران کے سامنے ان کا یہ بے باکانہ طرزِ تخاطب کس بنا پر تھا؟ صرف اس بناء پر کہ وہ حق وصداقت کے نمائندہ اور علمبردار تھے' اور قوتِ حق وصداقت نے اُن کے اندر یہ شجاعت اور بے باکی پیدا کر دی تھی۔

علامہ یوسف القرضاوی

ایمان اور زندگی

سورۃ النساء (آیات 93-92)

الھدیٰ (219)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ
فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ
وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٩٢﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا
مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿٩٣﴾

''اور کسی مومن کو شایان نہیں کہ مومن کو مار ڈالے مگر بھول کر۔ اور جو بھول کر بھی مومن کو مار ڈالے تو (ایک تو) ایک مسلمان غلام آزاد کر دے اور (دوسرے) مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو ان کو اختیار ہے)۔ اگر مقتول تمہارے دشمنوں کی جماعت میں سے ہو اور وہ خود مومن ہو تو صرف ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے۔ اور اگر مقتول ایسے لوگوں میں سے ہو جن میں اور تم میں صلح کا عہد ہو تو وارثان مقتول کو خون بہا دینا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہئے۔ اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبول) توبہ (کے لیے) ہے۔ اور اللہ (سب کچھ) جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔ اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا۔ اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لیے اس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

انسانی جان کی حرمت کے متعلق یہاں ایک مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے۔ فرمایا کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے۔ فرض کیجئے ایک شخص نے کسی مسلمان کو قتل کر دیا مگر وہ (یعنی قاتل) انکار کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں نے کسی جانور مثلاً ہرن وغیرہ پر تیر چلایا تھا اور وہ اتفاقاً اس شخص کو لگ گیا ہے اور وہ مر گیا یا گاڑی چلاتے ہوئے کوئی شخص نیچے آ کر مر گیا' ظاہر ہے گاڑی چلانے والا اسے مارنا تو نہیں چاہتا تھا' تو یہ قتل عمد نہیں قتل خطا ہے۔ اب ایسے شخص کے متعلق حکم دیا جا رہا ہے کہ جس شخص نے کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دیا تو وہ ایک مسلمان غلام کی گردن آزاد کرے اور مقتول کے گھر والوں کو دیت (خون بہا) ادا کرے۔ الا یہ کہ مقتول کے وارث معاف کر دیں۔ گویا قتل خطا میں قتل کا بدلہ قتل نہیں ہوگا بلکہ مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے گی اور قتل خطا کی صورت میں جو گناہ ہوا اس کا اثر زائل کرنے کے لیے اللہ نے اپنا ایک حق رکھ دیا کہ ایک غلام کو آزاد کرایا جائے۔

پھر اگر صورت حال ایسی ہو جائے کہ مقتول مسلمان ہو مگر اس کا تعلق ایسے قبیلے سے ہو جس کے ساتھ تمہاری دشمنی ہے تو پھر صرف ایک مسلمان غلام کو آزادی دلانا ہی کافی ہوگا۔ دیت معاف ہوگی۔ کیونکہ دیت ادا کی جائے تو وہ مقتول کے گھر والوں کو ملے گی' جو کافر ہیں۔ پس صرف اللہ کا حق رہ گیا جو کہ غلام کو آزاد کرانا ہے۔ البتہ اگر قتل خطا کے نتیجے میں مارا جانے والا کسی ایسے قبیلے سے تعلق رکھتا ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو پھر وہی پہلا حکم نافذ ہوگا یعنی مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرنی ہوگی اور ایک مومن غلام کو بھی آزاد کرنا ہوگا۔ جس سے قتل خطا سرزد ہوا ہے اسے دیت تو ادا کرنا ہی ہے لیکن اس کی اتنی استطاعت نہیں کہ غلام خرید کر آزاد کرے تو اس کے لیے حکم ہے کہ وہ اس کے بدلے میں دو ماہ تک لگاتار روزے رکھے۔ یہ اس کی طرف سے اس کے جرم کا کفارہ بن جائے گا' اس کی توبہ کی قبولیت کا ذریعہ ہو جائے گا اور یقیناً اللہ تعالیٰ تو علیم وحکیم ہے۔

جو کوئی کسی مومن کو قتل کر دے جان بوجھ کر' پس اس کا بدلہ تو جہنم ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہے گا' اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور اس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے' اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اسلامی معاشرے میں قتل عمد ایک گھناؤنا جرم ہے۔ سورۃ المائدہ میں آئے گا کہ کسی ایک انسان کو ناحق قتل کر دینا ایسا ہی ہے جیسے پوری نوع انسانی کو قتل کر دینا۔ افسوس ہمارے ہاں افراد معاشرہ اسلام وایمان سے دور ہو گئے ہیں۔ چنانچہ انسانی جان اتنی سستی ہو گئی ہے کہ ہر روز بیسیوں مسلمان ناحق قتل ہو رہے ہیں۔

فرمان نبویؐ

قیامت کے دن اصل ندامت

چودھری رحمت اللہ بٹر

عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ((اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ بَاعَ آخِرَتَهٗ بِدُنْيَا غَيْرِهٖ))

(رواہ البخاری)

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک قیامت کے دن سب سے زیادہ ندامت اس شخص کو ہوگی جس نے اپنی آخرت دوسروں کی دنیا (سنوارنے) کے لیے بیچ دی ہوگی''۔

عام طور پر آدمی اپنے بیوی بچوں کی جائز و ناجائز خواہشات پوری کرنے کے لیے جھوٹ اور فریب سے کام لیتا اور حرام ذرائع سے روزی کماتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے گھر والوں کے لیے تو آسانی پیدا کرتا ہے مگر اپنی عاقبت خراب کر لیتا ہے۔ ایسا شخص روز قیامت اپنی حماقت پر سب سے زیادہ شرمندہ ہوگا کہ دوسروں کی دنیا سنوارنے کے لیے میں نے اپنی عاقبت کیوں خراب کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

ایوب بیگ مرزا

صدر مشرف کی مایوسی

صدر پرویز مشرف نے پاک بھارت مذاکرات کے حوالہ سے مایوسی کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ مذاکرات کی رفتار انتہائی سست ہے اور بھارت کشمیر کے مسئلہ پر کسی قسم کی پیش رفت کرنے پر آمادہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے کشمیر پر بہت سی تجاویز دی ہیں اور لچک کا مظاہرہ کیا ہے لیکن بھارت نے نہ تو کسی تجویز کا مثبت جواب دیا ہے اور نہ کسی قسم کی لچک کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہمیں صدر محترم کی مایوسی پر بڑی حیرانی ہوئی ہے اِس لیے کہ مایوسی تو ہمیشہ توقع کے مطابق ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چند ادوار کو نکال دیں تو روزِ اوّل سے ''جس کی لاٹھی اُس کی بھینس'' دستورِ دنیا رہا ہے۔ ہمیں دیانتداری سے اِس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ بھارت پاکستان کو سیاسی معاشی اور معاشرتی ہر میدان میں مات دے چکا ہے۔ جنرل مشرف کو معلوم ہونا چاہیے کہ بامعنی مذاکرات ہم پلہ قوتوں کے مابین ہی ہوا کرتے ہیں۔

اگرچہ دونوں ممالک ایک ہی دن آزاد ہوئے' مگر آزادی کے فوراً بعد بھارت کے سیاسی رہنماؤں نے اپنے ملک کو آئین سے آراستہ کر دیا' جو معمولی نوعیت کی ترامیم کے ساتھ آج تک موجود ہے۔ جاگیرداری نظام جو جمہوریت کے پنپنے کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتا ہے' اُسے جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ انتخابات میں کبھی کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہونے دی گئی۔ وہاں انتخابات مجموعی طور پر منصفانہ ہوتے ہیں۔ الیکشن کمیشن مکمل طور پر آزاد ہوتا ہے اور حکومت اُس پر اثر انداز نہیں ہوسکتی۔ اسمبلی ممبران کی خرید و فروخت اور لوٹا کریسی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس وجہ سے بھوکی ننگی عوام کو بھی اعتماد حاصل ہے کہ ہم پر کوئی ہماری مرضی کے بغیر حکومت نہیں کر سکتا اور ہم ہر غیر پسندیدہ حکومت کو گرا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ درجن بھر علاقوں میں علیحدگی کی تحریکیں چلنے کے باوجود بھارت کی سلامتی پر کوئی اپنا یا بیگانہ تشویش کا اظہار نہیں کرتا۔ کسی صوبے کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملتا کہ فلاں بڑے صوبے کو ہم پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق بھارت میں چار ہزار دو سو زبانیں بولی جاتی ہیں۔ لیکن وہاں کوئی لسانی مسئلہ نہیں۔ انگریزی کو مرکزی زبان قرار دے دیا گیا ہے۔ مرکز ہر صوبے سے رابطہ انگریزی زبان میں کرتا ہے اور صوبے بھی ایک دوسرے سے انگریزی زبان میں رابطہ کرتے ہیں لیکن صوبے کے اندرونی معاملات اور صوبے کی دفتری زبان اُس کی علاقائی زبان ہی ہوتی ہے۔ اِس طرح کسی کو اعتراض نہیں ہوتا۔ جو مرکزی زبان ہے وہ کسی بھارتی صوبے کی نہیں انٹرنیشنل زبان ہے۔ معاشی میدان میں دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے کہ درجن بھر علیحدگی کی تحریکوں سے نبٹنے اور کشمیر میں سات لاکھ فوج کے ساتھ لڑنے کے باوجود اُس کی معیشت دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ ایشیائی مارکیٹ پر اُس کا غلبہ تو سب پر عیاں ہے۔ وہ سافٹ ویئر کی بین الاقوامی تجارت میں یورپ اور امریکہ کو پیچھے دھکیل رہا ہے۔

ناچ گانا ہندو کے مذہب اور عبادت کا حصہ ہے جبکہ اسلام میں راگ رنگ کی ممانعت ہے لیکن پاکستانیوں نے جیسے اُسے اپنایا ہے' اس پر سونیا گاندھی یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ ہم نے پاکستان کو ثقافتی طور پر فتح کر لیا ہے۔ پاکستان کی سیاسی' معاشی اور معاشرتی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ حکمرانوں کے پاس عوامی مینڈیٹ نہیں۔ ہماری معاشی حالت ایسی ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آج نہیں تو کل دیوالیہ ہو جائیں گے۔ قرضوں کے انبار تلے قوم پس رہی ہے۔ تیس سال سے ملک میں ایک ڈیم نہیں بن سکا۔ آزادی اور خود مختاری کو امریکہ کے پاس رہن رکھ دیا گیا ہے۔ معاشرت اور ثقافت کا معاملہ یہ ہے کہ کوّا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا۔ 9 سال پاک سرزمین بے آئین رہی۔ آئین کچے گھڑے کی طرح بنتے ٹوٹتے رہے۔ لسانی مسئلہ قیام پاکستان کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا جو آج تک حل نہیں ہوسکا۔ ضروری تھا کہ اِس مسئلہ کو اُسی انداز سے حل کیا جاتا جیسے بھارت نے کیا ہے' اِس فرق کے ساتھ کہ انگریزی کی جگہ عربی ہوتی' جو اکثر مسلم ممالک اور افریقہ کے کئی ممالک کی زبان ہے۔ پھر یہ کہ ہمارے ہاں مضبوط مرکز کی آڑ میں صوبوں کو بری طرح دبایا گیا جس سے ردعمل پیدا ہوا (باقی صفحہ 10 پر)

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 15 — 26 جنوری تا یکم فروری — 25 ذوالحجہ تا یکم محرم الحرام 1426ء — شمارہ 4

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
فرقان دانش خان۔ سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' **طابع**: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

نویں غزل

(بالِ جبریل، حصّہ دوم)

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم!
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دمبدم

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم!

دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم؟

اے مسلماں! اپنے دل سے پوچھ، مُلّا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم؟

پانچ اشعار پر مشتمل یہ مختصر غزل اقبال نے اپنے مسلک یعنی عشق کی مدح و ستائش میں لکھی ہے اور ہر شعر میں مدح کا نیا اسلوب اختیار کیا ہے' تا کہ اِس کی گونا گوں خصوصیات واضح ہو سکیں۔

1۔ ''زیر و بم'' موسیقی کی مشہور اصطلاحیں ہیں۔ زیر باریک اور خفی آواز کو' اور ''بم'' موٹی آواز کو کہتے ہیں۔ مُراد ہے راگ کے سُروں کا اتار چڑھاؤ' کم و بیش ہونا' جس پر اُس کی ساری دلکشی موقوف ہے۔ اگر کسی راگ سے سُروں کے اتار چڑھاؤ کو خارج کر دیا جائے تو اس کے معنی دراصل یہ ہوں گے کہ اُس کا وجود ہی ختم ہو گیا۔ اِس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر یہ شعر دوبارہ' قدرے بلند آواز سے پڑھیے۔ اقبال نے زندگی کو راگ سے تشبیہ دی ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح زیر و بم پر راگ کا وجود منحصر ہے' اسی طرح زندگی کی دلکشی' بلکہ زندگی کا وجود ہی عشق پر موقوف ہے۔ اگر زندگی سے عشق کو ختم کر دیا جائے تو زندگی ہی ختم ہو جائے گی۔ انسان میں سوز و گداز کی جو کیفیت پائی جاتی ہے' یہ سب عشق ہی کی بدولت ہے۔ عشق ہی کی بدولت زندگی میں جوش و خروش پیدا ہوتا ہے اور قوتِ عمل برقرار رہتی ہے' حالانکہ انسان تو محض مٹی کا پتلا ہے' جبکہ جذبۂ عشق نے اِس مٹی کے پُتلے میں سوز و گداز اور زندہ رہنے کی تمنا کو جنم دیا ہے۔

2۔ عشق انسان کی شخصیت میں اِس طرح سما جاتا ہے جس طرح شاخِ گل میں بادِ سحر گاہی کا نم۔ مُراد یہ ہے کہ عاشق کی پوری زندگی عشق کے زیرِ فرمان ہوتی ہے۔ اُس کی شخصیت کا کوئی گوشہ یا پہلو' عشق کے اثر سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ نیز جس طرح بادِ سحر گاہی' پھولوں کو تازگی اور زندگی بخشتی ہے' اسی طرح عشق انسان کو حقیقی زندگی عطا کرتا ہے۔ عشق ہی وہ جذبہ ہے جو انسان کے دل و دماغ' ضمیر اور رُوح حتیٰ کہ جسم کے ریشے ریشے میں سما جانے کی صلاحیت رکھتا ہے' جس طرح کہ صبح کی تازہ اور جاں بخش ہوا سے پیدا شدہ نمی شاخِ گل میں سما جاتی ہے۔

3۔ اقبال کہتے ہیں کہ انسان میں اپنے رزق دینے والے کو شناخت کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو وہ بادشاہوں کا غلام ہو کر رہ جاتا ہے اور یہی سمجھتا ہے کہ اُس کے رازق دراصل بادشاہ ہیں۔ لیکن جو شخص اپنے پیدا کرنے والے اور رزق دینے والے کی ذات سے آگاہی رکھتا ہے تو دارا اور جمشید جیسے بادشاہ بھی اُس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ اب سوال یہ ہے کہ رازقِ حقیقی کی شناخت کس طرح ہو سکتی ہے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ عشق کی بدولت انسان اپنے رازقِ حقیقی کو پہچان سکتا ہے۔ عشق کے سوا ذاتِ حقیقی کو پہچاننے کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔

4۔ اگر کوئی شخص اپنے دل کو حرص و ہوا سے پاک کر لے' یعنی دنیاوی خواہشات سے آزاد کر لے تو وہ دنیا اور دنیا والوں پر حکمران ہو جائے گا' لیکن اگر وہ دنیاوی یا نفسانی خواہشات کے حصول میں منہمک ہو جائے گا تو اُس پر روحانی اعتبار سے موت طاری ہو جائے گی۔ اب انسان خود فیصلہ کر لے کہ دل کی آزادی بہتر ہے یا شکم کی غلامی؟ ہر شخص یہی جواب دے گا کہ دل کی آزادی چاہتا ہوں۔ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوگا کہ دل کی آزادی کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عشق اور صرف عشق کی بدولت دل کی آزادی نصیب ہو سکتی ہے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم و مغفور اِس شعر کی تشریح میں لکھتے ہیں:
''انسان کے حقیقی دشمن پانچ ہیں۔ کام (شہوت)' کرودھ (غصہ)' موہ (فریفتگی)' لوبھ (حرص' لالچ) اور اہنکار (تکبر)۔ چونکہ یہ پانچوں دشمن دوستوں کی شکل میں آتے ہیں' اس لیے انسان اِن سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ دنیا میں عشق ہی وہ طاقت ہے جس کی بدولت انسان اپنے اِن پانچوں دشمنوں پر غالب آ سکتا ہے۔ چونکہ انسان کی رُوحانی ترقی اِنہی پانچ دشمنوں کو مغلوب کرنے پر موقوف ہے' اس لیے عشق ہر طالب کے لیے لازمی ہے۔

5۔ مسلمان سے خطاب کرتے ہوئے اقبال اِس شعر میں کہتے ہیں کہ کسی مُلا مولوی کی بجائے خود اپنے دل سے پوچھ لے کہ حرمِ کعبہ اب اللہ کے سچے اور پکے بندوں سے کیوں محروم ہو گیا ہے۔ اب تو وہاں اکثریت ایسے لوگوں کی موجود ہوتی ہے جن کا کاروبار منافقت اور دنیاداری ہے۔ یہ شعر بھی معنوی سطح پر اس سے پہلے کے اشعار کا تسلسل ہے' یعنی یہ کہ اب حرم کعبہ میں داخل ہونے والوں کی اکثریت اُن لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے جو عرفانِ الٰہی سے آگاہی نہیں رکھتے اور اللہ کو رازقِ حقیقی سمجھنے کی بجائے رزق کے لیے غیر از خدا کے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہ لوگ تو عملاً شکم کے بندے ہیں اور اپنے قلب و ضمیر کی آزادی سے محروم ہیں۔

منبر و محراب

سورۃ البیّنۃ

بعثت محمدیؐ کی ضرورت، اہل کتاب و مشرکین کے ابطال، اُن کی سزا اور اہل ایمان کے اجر عظیم کا بیان

مسجد دار السلام باغ جناح لاہور میں، امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 6 جنوری 2006ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

سورۃ البیّنۃ کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا: حضرات! یہ سورت مکی ہے یا مدنی، اس بارے میں اختلاف ہے۔ تاہم اکثر صحابہ کرامؓ، تابعین اور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے۔ اس سورت کا نام "البیّنۃ" اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اس کے علاوہ روایات میں اس کے اور بھی نام آتے ہیں، مثلاً المنفکّین، البریّہ وغیرہ۔ یہ آٹھ آیات پر مشتمل ہے۔ مسند احمد کی روایت ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو جبرئیلؑ نے فرمایا کہ اے نبیؐ! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسے ابی بن کعبؓ کو سنا دیجئے۔ حضرت اُبی بن کعبؓ کو جب نبی اکرم ﷺ نے یہ بات بتائی تو خوشی کی کیفیت میں ان کے آنسو نکل آئے اور انہوں نے اپنی اس سعادت پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

اس سورۂ مبارکہ کا مرکزی مضمون نبی اکرم ﷺ کی بعثت کی ضرورت ہے۔ یعنی اِس بات کی وضاحت کہ کتاب اللہ کے ساتھ ایک رسول کو کیوں بھیجا گیا۔ یہ کتاب کسی پہاڑ پر ہی یکبارگی کیوں نہ نازل کر دی گئی۔ گویا اس سورت میں رسول ﷺ کے مقام و مرتبہ کی طرف اشارہ ہے، اور لطیف پیرائے میں اس بات کی تعلیم ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے مقام و مرتبہ اور عظمت کو پہچانو۔ ایک ایسا رسول جس کا وجود مسعود اپنی رسالت پر خود دلیل ہے، جس کا کردار البیّنہ ہے، اس کی بعثت ناگزیر ہے، کیونکہ اس کے بغیر شرک میں پڑی ہوئی انسانیت کا کفر سے نکلنا ممکن نہیں۔

آیئے اب ہم اس کی آیات کا ترتیب وار مطالعہ کرتے ہیں۔ پہلی آیت ہے:

﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ①﴾

"اہل کتاب اور مشرکین میں سے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، باز آنے والے نہیں تھے جب تک کہ ان کے پاس ایک البیّنہ (روشن دلیل) نہ آ جاتی"۔

اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں، جو اس بات کے دعویدار ہیں کہ ہمارے پاس آسمانی ہدایت ہے۔ یہود کہتے ہیں، ہمارے پاس تورات ہے اور نصاریٰ (عیسائی) کہتے ہیں کہ ہمارے پاس انجیل ہے۔ مشرکین سے مراد اولاً تو مشرکین عرب ہیں، جن کے سامنے نبیؐ قرآن کا پیغام پہنچا رہے تھے۔ لیکن طبعاً اس میں اُن تمام مذاہب کے پیروکار شامل ہیں جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے بلکہ فلسفیانہ مذاہب ہیں، جیسے ہندومت، بدھ مت یا یونانیوں کا دیومالائی مذہب کا تصور وغیرہ۔ ان سب کے لیے ایک جامع عنوان ہے 'مشرکین'۔

اگرچہ اہل کتاب میں سے نصاریٰ نے بھی شرک کیا۔ تثلیث کا باطل عقیدہ گھڑا، اور حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ یہ شرک کی تمام اقسام میں سب سے بڑا شرک ہے۔ اسی طرح یہود کا بھی ایک طبقہ حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا مانتا تھا۔ اِس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں مشرک کا لقب نہیں دیا۔ اس لیے کہ بنیادی طور پر وہ توحید کے قائل ہیں۔ البتہ انہوں نے عقیدۂ توحید کو بگاڑ لیا اور اُس میں تحریف کر کے شرک کے مرتکب ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ آل عمران میں نبی کریمؐ سے کہا گیا کہ اہل کتاب سے یوں مخاطب ہوں:

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ...... ۞﴾

"کہو اے اہل کتاب: آؤ اس بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں کریں گے"۔

"مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ" کا مطلب اکثر مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین اپنے کفر، اپنے شرک اور اپنی غلط روش سے باز آنے والے نہیں، یہاں تک کہ ان کے پاس ایک روشن دلیل نہ آ جاتی۔ یہاں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ تورات و انجیل تو پہلے سے موجود تھیں، پھر البیّنہ کی کیا ضرورت تھی؟ اِس کا جواب واضح ہے۔ ان کتابوں میں تحریفات ہو چکی تھیں، اور وہ اپنی اصل حالت میں باقی نہ رہی تھیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جس زبان میں وہ کتابیں نازل ہوئیں، اس میں کوئی نسخہ اس وقت موجود تھا، نہ آج موجود ہے۔ عبرانی زبان جس میں تورات نازل ہوئی، اس کا کوئی وجود ہی نہیں رہا۔ اس وقت انجیل یا تورات کے جو نسخے ہیں، وہ بھی اصل زبان کے ترجمے ہیں۔ پھر ان تراجم سے یہ مزید ترجمہ ہو کر انگریزی میں آئیں۔

تحریف کا پس منظر یہ ہے کہ تورات کی الواح بنی اسرائیل سے گم ہو گئیں تھیں۔ ڈیڑھ صدی کے بعد جب کہ انہیں بخت نصر سے رہائی ملی اور وہ فلسطین میں واپس آئے تو اپنی یادداشتوں سے، اپنی سوچ کے مطابق اس کو دوبارہ مرتب کیا۔ اس میں بہت سارا رطب و یابس بھی جمع ہو گیا۔ اصل کلام اللہ میں اضافے کئے گئے۔ اپنے افکار کو بھی کلام اللہ کا حصہ بنا دیا گیا۔ یہی معاملہ انجیل کا ہے۔ الغرض آسمانی کتابوں میں تحریف ہو چکی تھی۔ اور اہل کتاب ربانی ہدایت اور ازلی سچائیوں سے منہ موڑ کر دنیا پرستی، ہوس پرستی میں پڑ کر اختلاف اور انتشار و افتراق کا شکار ہو چکے تھے۔ وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے اور ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اُن کے متعلق فرمایا گیا:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ...... ۞﴾ (البقرہ)

"یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ (ان کے پاس اپنی صداقت کی کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہے)۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی چیز (یعنی مضبوط موقف) پر نہیں، حالانکہ دونوں کتاب (تورات) کی تلاوت کرتے ہیں"۔

آگے فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ...... ۞﴾

"وہ لوگ کہ جو کچھ بھی نہیں جانتے وہ بھی ایسی ہی باتیں کرتے ہیں"۔

ان لوگوں سے مراد قریش ہیں' جن کے پاس اڑھائی ہزار سال سے کوئی نبی اور رسول نہیں آیا' جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب کسی شکل میں موجود نہیں تھی' جو وحی کے نام سے بھی نا آشنا تھے۔ وہ بھی یہی کہتے کہ ہم صحیح ہیں باقی سب غلط ہیں۔ کفر و شرک کی اس فضا میں کسی کو خبر نہ تھی کہ حق کیا ہے اور کیا باطل ہے۔ چنانچہ ضروری تھا کہ رسول برحق کو مبعوث کیا جائے جو گم کردہ راہ لوگوں کو سیدھی راہ کی رہنمائی کرے' انہیں حق و باطل میں تمیز کرائے' مضبوط اور روشن دلائل دے۔ تاکہ جو حق کے متلاشی ہیں' حق و باطل میں فرق کر سکیں۔ بنابریں رسول کریم ﷺ کو "البینۃ" قرار دیا گیا۔ چنانچہ اگلی آیت میں فرمایا:

﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝﴾

"(یہ روشن دلیل' یہ البینۃ جو اللہ نے بھیجی) ایک رسول ہیں اللہ کی طرف سے' تلاوت کرتے ہیں (پڑھ کر سناتے ہیں) پاکیزہ صحیفے"۔

رسول کریم ﷺ کی ذات بابرکات البینۃ ہے۔ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا میں حق کو واضح کر دیا۔ اب جو بھی طالب حق ہوا' اسے حق کو پہچاننے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔ وہ کسی ابہام کا شکار نہیں ہوگا۔ جو شخص بھی آیات قرآنی اور رسول کریم ﷺ کے فرمودات کا مطالعہ کرے گا' بے اختیار پکار اٹھے گا کہ ع میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھا۔ اس اعتبار سے آیئے دیکھیں کہ دین میں رسول ﷺ اور رسالت کا مقام کیا ہے۔

برادران اسلام! اس دور کا سب سے بڑا فتنہ انکار حدیث ہے' جو جدید بے خدا سائنس اور "Rationalism" کا شاخسانہ ہے۔ کہا گیا ہے کہ ہم قرآن کو تو مانتے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کی سنت' آپ کے فرامین' آپ کی احادیث ہمارے لیے حجت نہیں۔ کیونکہ رسولؐ اپنے زمانے کے لیے ہادی اور راہنما بن کر آئے تھے۔ وہ صرف اپنے دور کے مرکز ملت تھے۔ آج کے دور میں مرکز ملت کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔ منکرین حدیث کے نزدیک رسول تو ایک ہرکارہ ہوتا ہے۔ رسول کا مطلب ہی Messanger اور پیغامبر ہے۔ جیسے ڈاک کے ہرکارہ کا کام محض یہ ہوتا ہے کہ وہ ڈاک یا پیغام لے کر متعلقہ شخص تک پہنچا دے' اور بس اسی طرح رسول ﷺ کا کام بھی اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ نعوذ باللہ اس سے زیادہ اُن کی حیثیت نہیں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارے پاس اللہ کی زندہ کتاب موجود ہے۔ ہم خود ہر دور کے مطابق براہ راست اس سے رہنمائی لے سکتے ہیں۔ یہ بودی منطق عقل گزیدہ لوگوں کو بہت پسند آتی ہے۔ وہ تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ قرآن حکیم کی جیسے چاہیں تاویل کر لیں۔ اقبال نے انہیں لوگوں کے بارے میں شکوہ کیا تھا۔

اس دور کا سب سے بڑا فتنہ انکار حدیث ہے۔ یہ خیال کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں مگر رسول اکرمؐ کی سنت اور فرامین ہمارے لیے حجت نہیں' حقیقت میں قرآن ہی کا انکار ہے

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

یاد رکھیے! قرآن مجید کے مفہوم کو رسول اکرم ﷺ کے فرمودات ہی معین کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اللہ کی طرف سے روشن دلیل ہیں۔ جو صحیفوں کی تلاوت کرتے ہوئے آئے ہیں' جن میں واضح احکامات ہیں۔ آپؐ ہی انسان کو تاریکیوں سے نکال کر اجالوں میں لانے والے ہیں۔ یہی بات سورۃ الطلاق میں بیان کی گئی ہے۔ فرمایا:

﴿قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ..... ۝﴾

"(اے مسلمانو!) ہم نے نازل کر دیا تمہاری طرف ذکر (نصیحت)' جو رسول ہیں' جو تم پر تلاوت کرتے ہیں اللہ کی روشن آیات' تاکہ وہ نکالیں انہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے تاریکی سے روشنی کی طرف۔"

تورات اور قرآن مجید میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰؑ پر تورات الواح کی صورت میں نازل ہوئی۔ وہ لکھی ہوئی تختیوں پر تھی۔ ظاہر ہے لوگوں نے جب ان الواح کو دیکھا تو معلوم ہو گیا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اس کے برعکس نبی ﷺ کو قرآن حکیم الواح شکل میں عطا نہیں ہوا' بلکہ بصورت وحی براہ راست آپ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوا۔ چنانچہ سورۃ الشعراء میں فرمایا:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ..... ۝﴾

(اے نبی ﷺ) "اس قرآن کو لے کر نازل ہوئے روح الامین' آپ (ﷺ) کے قلب پر"۔

اس صورت میں نازل ہونے والے کلام کو کوئی اور نہیں سن سکتا تھا' یہاں تک کہ اگر مجمع میں صحابہ کرامؓ بیٹھے ہوتے اور آپ ﷺ کے قلب مبارک پر آیات قرآنی نازل ہوتیں تو بھی کسی کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ الفاظ اترے ہیں' قرآن کا یہ حصہ اترا ہے' یہ سورت اتری ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم جیسے ہمارے لیے غیب ہے' اسی طرح صحابہ کرامؓ کے لیے بھی کلام غیب تھا۔ صحابہ کرامؓ کو کون بتا رہا تھا کہ اللہ کا فلاں حکم نازل ہوا ہے' فلاں سورت اُتری ہے۔ ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ ہی یہ سب کچھ بتا رہے تھے' اس کی وضاحت بھی فرما رہے تھے۔ اس سے دین میں سنت کی اہمیت مبرہن ہو جاتی ہے۔

سنت رسول ﷺ کا انکار رسول کریم ﷺ کے مقام و مرتبہ گھٹانے کا مذموم فعل ہے' جس کا منطقی نتیجہ حقیقت میں قرآن مجید ہی کا انکار ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم اللہ کی بندگی کی دعوت ہے۔ اب بندگی کیسے بجالانی ہے' رب کی اطاعت کیسے کرنی ہے' اس کا طریقہ رسول ﷺ ہی نے بتایا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں بار بار نماز کا حکم آیا' مگر نماز کیسے ادا کرنی ہے' اس کی تفصیلات قرآن حکیم میں نہیں ہیں۔ اس کا پورا طریقہ نبی کریم نے عملی صورت میں دکھایا اور فرما دیا:

((صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ)) (رواہ البخاری) یعنی "تم نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔" اسی طرح کی مثالیں دیگر احکام کی ہیں۔ چنانچہ ہمارے لیے ضروری ہے کہ آپ ﷺ کے طریقے کی پیروی کریں۔ آپؐ کی اطاعت لازم ہے۔ اسی لیے فرمایا:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ..... ﴾ (النساء:64)

"ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔"

ایک اور مقام پر آپؐ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیا گیا۔ فرمایا

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ..... ﴾ (النساء:80)

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی"۔

رسول ﷺ کی سیرت قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ رسول کے اقوال قرآن کی تشریح ہیں۔ اس لیے نا صرف یہ کہ رسول برحق کو یہ حق حاصل ہے کہ وہی قرآن کی تشریح کریں بلکہ ان کا یہ فرض منصبی بھی تھا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل:44)

"اے نبی! ہم نے آپ ﷺ کی طرف ذکر نازل کر دیا تاکہ آپ ﷺ اس کو کھول کر بیان کریں جو ان کی طرف اتارا گیا"۔

حقیقت تو یہ ہے کہ دین نام ہی اُن ازلی سچائیوں اور تعلیمات کا ہے جو ہمیں نبی کریم ﷺ نے عطا فرمائی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ جو تعلیمات بھی نبی کریم ﷺ عطا کریں' اُن کو اختیار کر لو انہیں حرز جاں بنا لو اور جن جن مفاسد' برائیوں اور خرابیوں سے آپؐ منع فرمائیں اُن سے پورے طور سے اجتناب کرو۔ فرمایا گیا: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر:7) "رسول جو کچھ تمہیں عطا کریں اس کو پکڑ لو اور جس چیز سے تمہیں روک دیں اس سے باز آ جاؤ"۔ چنانچہ ایک حدیث رسولؐ ہے۔ آپؐ نے

فرمایا: ((مَآ اٰتٰىكُمُ فَخُذُوْهُ)) "جو کچھ میں تمہیں دوں اسے پکڑ لو"۔ معلوم ہوا کہ یہی دین ہے۔ اگر رسول کریم ﷺ کی پاکیزہ سیرت اور روشن سنت کی اتباع کو لازم نہ سمجھا جائے تو یہ گمراہی اور الحاد ہے۔ خدا ہمیں اس سے بچائے۔

اگلی آیت میں صحفاً مطہرۃ کی وضاحت ہے: فرمایا

﴿فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ③﴾

ان صحیفوں کے اندر کتابیں ہیں بڑی مضبوط۔

مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کے حاشیے میں لکھتے ہیں: "یعنی قرآن کی ہر سورت گویا ایک مستقل کتاب ہے یا یہ مطلب ہو کہ جو عمدہ کتابیں پہلے آچکی ہیں' ان کے ضروری خلاصے اس کتاب میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ یا کتب قیمۃ سے علوم ومضامین مراد ہیں یعنی اس کے علوم بالکل صحیح و راست اور مضامین نہایت مضبوط ومعتدل ہیں۔"

﴿وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ④﴾

"اور تفرقہ کیا اہل کتاب نے سو جب کہ ان کے پاس آ گئی البینہ"۔

یعنی اہل کتاب کسی غلط فہمی یا لاعلمی کی بنیاد پر قرآن کی مخالفت نہیں کر رہے' بلکہ ایسا ضد اور عناد کے سبب کر رہے ہیں۔ انہوں نے پہلے بھی ایسا کیا تھا۔ انہیں پہلے بھی تورات اور انجیل کی صورت البینہ ملی تھی۔ اور ان کے رسول بھی ان کے پاس آئے تھے مگر وہ یہ سب کچھ سمجھنے کے باوجود راہ حق پر نہیں آئے اور شرارت نفس کی وجہ سے شیطان کی راہ چلتے رہے۔ وہ افتراق' اختلاف اور فرقہ واریت میں پڑ کر ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے رہے۔ اب بھی یہ سب لوگ راہِ ہدایت پر نہیں آئیں گے۔ کیونکہ وہ تعصبات کا شکار ہیں۔ غرور اور تکبر ان کے راہ کی رکاوٹ ہے۔ اور یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہے گا۔ تاہم جو شخص صحیح معنوں میں حق کا طالب ہو اور اس راستے پر چلنا چاہتا ہو' اس کے لیے اب کوئی رکاوٹ نہیں رہی۔ خورشید ہدایت اب نصف النہار پر چمک رہا ہے۔ اس کو پہچاننا قطعاً مشکل نہیں ہے۔ جبکہ اس سے پہلے حق و باطل گڈ مڈ تھے۔

آگے فرمایا:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ ……﴾

"اور انہیں حکم اسی بات کا دیا گیا تھا کہ بندگی کریں اللہ کی اطاعت کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے' یکسو ہو کر"۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت زندگی کے ہر شعبے اور ہر گوشے میں مطلوب ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ نماز تو اللہ کی مرضی کے مطابق پڑھ رہے ہیں' بقیہ پوری زندگی میں اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہے۔ اگر اللہ کا حکم اور رسول اللہ کا فرمان سمجھ کر اللہ کے آگے جھکے ہیں' نماز پڑھی ہے' تو بقیہ معاملات میں بھی اللہ اور رسول کے احکامات کی تعمیل ضروری ہے۔ ورنہ یہ خلوص نہیں ہوگا۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نماز' روزہ' حج اور عمرے کی پوری تفصیلات جاننے کی کوشش کرتے ہیں' ان پر عمل کی فکر بھی ہوتی ہے' جبکہ باقی زندگی میں ہم نے دین کی تعلیمات کو چھوڑ دیا ہے۔ معاشرت سے دین کو خارج کر دیا گیا ہے۔ معیشت کے میدان میں اللہ سے برسرپیکار ہیں۔ گویا دین کے حصے بخرے کر دیئے گئے ہیں۔ یہ دینداری

دین کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کا مطلوب' مقصود اور محبوب بن جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر دنیا کی بڑی سے بڑی لالچ اور سخت دباؤ بھی انسان کو اللہ کے حکم سے سرتابی پر مجبور نہ کر سکیں گے

نہیں ہے اسلام تو ہمیشہ سے پوری زندگی میں اللہ کی اطاعت کا نام رہا ہے۔ حضرت آدم سے لے کر نبی ﷺ تک دین کبھی بھی انسان کا پرائیویٹ معاملہ نہیں رہا' بلکہ ہر دور کے نبی نے زندگی کے ہر گوشے میں اللہ کی بندگی اختیار کرنے کی دعوت دی۔

حنیف وہ شخص ہے جو یکسو ہو۔ جو غیر اللہ سے کٹ کر اللہ تعالیٰ سے لو لگا لے۔ یہاں حنفاء سے مراد یہ ہے کہ سب اطراف سے منہ موڑ کر یکسو ہو کر اللہ کی جانب رُخ کیا جائے۔ اسی کی بندگی اطاعت کی جائے کہ اس کی اطاعت سب سے مقدم ہے۔ جب اللہ کا حکم اور فیصلہ آ جائے تو باقی سب فیصلے بے معنی ہو جاتے ہیں۔ دین کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کا مطلوب' مقصود اور محبوب ہو۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر دنیا کی بڑی سے بڑی لالچ بھی انسان کو اللہ کے کسی حکم سے سرتابی پر مجبور نہ کر سکے گی۔ وہ اللہ کے حکم کے مقابلے پر کوئی دباؤ قبول نہیں کرے گا' یہ ہے وہ کردار جو "حنیف" کہلائے گا۔ قرآن مجید میں اس کردار کی سب سے بڑی مثال حضرت ابراہیمؑ کی دی گئی ہے۔ انہیں پے بہ پے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ سخت ترین امتحانات سے دوچار کیے گئے مگر ہر امتحان سے سرخرو ہو کر نکلے۔ چنانچہ ان کے لیے کئی مقامات پر حنیف کا لفظ آیا ہے۔

آیت کا اگلا حصہ ہے:

﴿……وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ⑤﴾

"وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی۔"

نماز تعلق مع اللہ کا ایک ذریعہ ہے جو حقوق اللہ میں سرفہرست ہے۔ زکوٰۃ اسلام کا اہم رکن ہے' جو اپنے اندر حقوق العباد کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ اگلی آیت میں کفر و شرک کے انجام بد کا تذکرہ ہے۔ فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ⑥﴾

"بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب اور مشرکین میں سے' وہ ہوں گے جہنم کی آگ میں اور اسی میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ یہ لوگ ہیں بدترین خلائق"۔

یہاں پر کفر سے کیا مراد ہے؟ سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر سے یہاں مراد اللہ کی کتاب قرآن حکیم اور اُس کے رسول برحق نبی اکرم ﷺ کا انکار ہے۔ کیونکہ اہل کتاب اس قرآن کو ماننے سے انکاری تھے۔ البینہ (حضرت محمد رسول اللہ ﷺ) کو نہیں مانتے تھے۔ فرمایا جو لوگ اس خورشید جہانتاب کو نہ مانیں' اللہ تعالیٰ نے جو کامل ہدایت (الہدیٰ) عطا کر دی ہے اس کو نہ مانیں' ان کا انجام انتہائی بھیانک ہوگا۔ اور وہ یہ ہے کہ انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور یہ لوگ بدترین خلائق ہوں گے۔ اس دن حسرت سے کہیں گے' کاش! ہمیں اشرف المخلوقات نہ بنایا ہوتا۔ کاش! ہمیں دنیا میں نہ بھیجا گیا ہوتا۔ ہم معدوم ہوتے' یا یہ کہ ہمیں ختم کر دیا جاتا۔

آخری دو آیات میں کفار و مشرکین کے برعکس ان خوش نصیب لوگوں کا اعزاز و اکرام بیان کیا گیا' جو ایمان لائے اور ایمانی تقاضوں کے مطابق بھرپور زندگی بسر کی۔ فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ⑦ جَزَاۗؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ⑧﴾

"بے شک وہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے وہ مخلوق میں سے سب سے بہترین ہیں۔ ان کا بدلہ ان کے رب کے ہاں جنت ہے جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اُس سے راضی۔ یہ (کامیابی) اُس کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا"۔

ایسے لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے۔ اپنے نفس کا تزکیہ کیا' اللہ کے سامنے جوابدہی کے احساس کے تحت سرکشی' طغیانی اور اللہ کی نافرمانی سے مجتنب رہے اللہ کی مخلوقات میں سے سب سے بہترین مقام و مرتبہ کے حامل ہیں۔ ایسے پاک طینت لوگوں کی جزا جنت اور اس کی دائمی نعمتیں ہیں۔ اور اِس سے بھی بڑھ کر اُن کا انعام اللہ کی رضا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اللہ کے ان نیک بندوں میں شامل کرے (آمین!)

(مرتب: محبوب الحق عاجز)

حکمران ہے اک وہی

محمد حسین

ذرا غور کیجئے' جس زمین پر ہم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے۔ زمین میں بسنے والے انسان بھی اللہ کی تخلیق ہیں۔ بے شمار اسبابِ زندگی جس کے بل پر انسان جی رہے ہیں' انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ جب سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے تو حکومت بھی اسی کی ہونی چاہئے۔ جب دولت اللہ کی ہے' رعیت اللہ کی ہے' زمین اللہ کی ہے' سب کچھ اللہ کا ہے تو پھر کوئی اس کا حقدار کیسے ہو گیا کہ اللہ کے ملک میں اپنا حکم چلائے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ملک کسی کا ہو' پر حکم دوسرے چلائیں۔ ملکیت کسی اور کی ہو مالک کوئی دوسرا بن جائے۔ یہ بات عقل قبول نہیں کرتی۔ یہ صریح حق کے خلاف ہے۔

جہاں کہیں بھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان انسان پر حاکم بن جائے تو نتیجتاً فساد پھیلتا ہے۔ وطن عزیز کے حالات اس حقیقت کے گواہ ہیں۔ جہاں بدامنی' ظلم' عریانی' بے حیائی' بے ایمانی' رشوت عام ہے۔ سود خوری کا بازار گرم ہے۔ مالدار غریبوں کا خون چوستے ہیں۔ سودی معیشت قیامتیں ڈھا رہی ہیں۔ اسے سند جواز عطا کی جا رہی ہے۔ اس کی بنیاد پر بینک چل رہے ہیں۔ معاشرتی سطح پر لوگوں میں بے حیائی اور بداخلاقی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ محض اس لیے کہ ان کی تعلیم و تربیت کا ایسا ہی انتظام کیا گیا ہے اور انہیں اخلاق اور انسانیت کے وہی نمونے دکھائے جا رہے ہیں جو حکمرانوں کو پسند ہیں۔

آج دنیا میں ہر طرف بے حد و حساب خونریزی ہو رہی ہے۔ انسان کا علم اس کی تباہی کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ انسان کی محنت کے پھل آگ کی نذر کیے جا رہے ہیں اور بیش قیمت جانیں بے دردی سے ضائع کی جا رہی ہیں۔ دنیا میں ہر طرف ظلم ہو رہا ہے۔ کمزور کے لیے انصاف ایک خواب بن گیا ہے۔ غریب کی زندگی دشوار ہے۔ عدالتیں بنئے کی دوکان بنی ہوئی ہیں جہاں سے روپے پیسے کے عوض انصاف خریدا جا رہا ہے۔ ساہوکار' زمیندار' راجے اور رئیس' گدی نشین پیر' سینما کمپنیوں کے مالک' شراب کے تاجر' فحش کتابیں اور رسالے شائع کرنے والے' جوئے کا کاروبار چلانے والے اور ایسے ہی بہت سے لوگ خلق خدا کی جان' مال' عزت' اخلاق ہر چیز کو تباہ کر رہے ہیں اور کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اولادِ آدم میں سے جو شریر اور بدمست لوگ ہیں وہ اقوام عالم کے رہنما اور اقتدار کی باگوں کے مالک بن گئے ہیں۔ اقتدار و اختیار ان کے ہاتھ میں ہے۔ حکومت کی کل بگڑی ہوئی ہے۔ طاقت جن ہاتھوں میں ہے وہ ظالم ہیں' وہ خود بھی ظلم کرتے ہیں اور ظالموں کا ساتھ بھی دیتے ہیں۔

حکومت کی خرابی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ لوگوں کے خیالات کا گمراہ ہونا' اخلاق کا بگڑنا' انسانی قوتوں اور قابلیتوں کا غلط راستوں میں صرف ہونا' کاروبار اور معاملات کی غلط صورتوں اور زندگی کے برے طور طریق کا رواج پانا' ظلم و ستم اور بد اعمالیوں کا پھیلنا اور خلق خدا کا تباہ ہونا یہ سب نتیجہ ہے اس بات کا کہ اختیارات اور اقتدار کی کنجیاں غلط ہاتھوں میں ہیں۔ ظاہر ہے جب طاقت بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگی تو وہ صرف بگاڑ ہی پھیلائیں گے اور جب تک اختیارات ان کے قبضہ میں رہیں گے کسی چیز کی اصلاح نہ ہو سکے گی۔

خلق خدا کی اصلاح کرنے اور لوگوں کو تباہی کے راستوں سے بچا کر فلاح اور سعادت کے راستوں پر لانے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ حکومت کے بگاڑ کو درست کیا جائے۔ جہاں لوگوں کو زنا کی آزادی حاصل ہو وہاں زنا کے خلاف خواہ کتنا ہی وعظ کہا جائے زنا کا بند ہونا محال ہے۔ اگر حکومت کے اختیارات حاصل کر کے زبردستی زنا کو بند کیا جائے تو لوگ خود بخود حرام راستے کو چھوڑ کر حلال کا راستہ اختیار کر لیں گے۔ شراب' جوا' سود' رشوت' فحش تماشے' بے حیائی کے لباس اور بداخلاق بنانے والی تعلیم اور اس طرح کے دوسرے برے کام اگر آپ وعظوں سے دور کرنا چاہیں تو ناممکن ہے۔ البتہ حکومت کے زور سے یہ سب بلائیں دور ہو سکتی ہیں۔ اگر آپ چاہیں کہ بندگانِ خدا کی محنت' دولت ذہانت و قابلیت غلط راستوں میں ضائع ہونے سے بچے اور صحیح راستوں میں صرف ہو' اگر آپ چاہیں ظلم مٹے اور انصاف ہو' اگر آپ چاہیں کہ زمین میں فساد نہ ہو' انسان انسان کا خون نہ بہائے اور دبے اور گرے ہوئے انسان اٹھائے جائیں اور تمام انسانوں کو یکساں عزت' امن' خوش حالی اور ترقی کے مواقع حاصل ہوں تو محض تبلیغ و تلقین کے زور سے یہ کام نہیں ہو سکتے۔ حکومت کی طاقت آپ کے پاس ہو تو یہ سب کچھ ہونا ممکن ہے۔

ذرا سی عقل اس بات کو سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ جو انسان خدا سے بے خوف ہو' جسے یہ فکر ہو ہی نہیں کہ کسی کو حساب دینا ہے' جو اپنی جگہ یہ سمجھ رہا ہو کہ کوئی نہیں جو مجھ سے پوچھ گچھ کرنے والا ہو تو پھر وہ انسان اختیارات پا کر اپنی من مانی کے بغیر کچھ نہیں کرے گا۔ ایسے شخص کے پاس وسائل رزق ہوں' لوگوں کی جانیں اور ان کے مال اس کی مٹھی میں ہوں' ہزاروں لاکھوں سر اس کے حکم کے آگے جھک رہے ہوں تو کیا وہ راستی اور انصاف پر قائم رہ سکے گا۔ کیا آپ توقع کر سکتے ہیں کہ وہ خزانوں کا امین ثابت ہوگا۔ کیا وہ حق مارنے' حرام کھانے اور بندگانِ خدا کو اپنی خواہشات کا غلام بنانے سے باز رہے گا؟ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ شخص خود بھی سیدھے راستے پر چلے اور دوسروں کو بھی سیدھے راستے پر چلائے گا؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ ایسا ہونا عقل کے خلاف ہے۔ ہزارہا برس کا تجربہ اس کے خلاف شہادت دیتا ہے۔ آج آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ خدا سے بے خوف اور آخرت کی جواب دہی سے غافل ہیں وہ اختیارات پا کر کس قدر ظالم' خائن اور بدراہ ہو جاتے ہیں۔

اجتماعی سطح پر جس اصلاح کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ انسان پر انسان کی حکومت نہ ہو بلکہ اللہ کی حکومت ہو۔ اس کو چلانے والے خود مالک الملک نہ بنیں بلکہ اللہ کو بادشاہ تسلیم کرتے ہوئے اس کے نائب کی حیثیت سے کام کریں اور یہ سمجھتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں کہ آخر کار اس امانت کا حساب اس بادشاہ کو دینا ہے جو کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے۔ قانون اس کی خدائی ہدایت پر مبنی ہو جو تمام حقیقتوں کا علم رکھتا ہے اور دانائی کا سرچشمہ ہے۔ اس قانون کو بدلنے یا اس میں ترمیم و تنسیخ کرنے کے اختیارات کسی کو نہ ہو تا کہ وہ انسانوں کی جہالت یا خودغرضی اور ناروا خواہشات کی دخل اندازی سے بگڑ نہ جائے۔ یہی وہ بنیادی اصلاح ہے جس کا اسلام تقاضا کرتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ملک میں اسلامی نظام (یعنی خلافت) کے قیام کے لیے جدوجہد کریں۔

اگر طاقت بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگی تو وہ صرف بگاڑ پھیلائیں گے اور جب تک اختیارات اُن کے قبضے میں رہیں گے کسی چیز کی اصلاح نہ ہو سکے گی

تنظیمی اطلاع

امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب نے مرکزی عاملہ کے اجلاس منعقدہ 4 جنوری میں اراکین کے مشورے کے بعد امیر حلقہ کی سفارش کو قبول کرتے ہوئے سکھر کی مقامی تنظیم کو ختم کرنے اور تین منفرد اسرہ جات میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا۔

خدا مغفرت کرے عجب "آزاد محترمہ" تھی

ایوب بیگ مرزا

14 اگست 1947 کو جنوبی ایشیا میں ایک بچی پیدا ہوئی۔ بچی اگرچہ میجر آپریشن سے پیدا ہوئی تھی اور بڑی نحیف اور کمزور سی تھی لیکن اس کا چہرہ روشن اور چمکتا ہوا تھا۔ خاندان کے بڑوں نے بڑے چاؤ سے نام آزادی رکھا۔ آزادی کا دیدار کرنے اور اس کی زیارت حاصل کرنے کے لیے مشرق کی طرف سے مہمانوں کا سیلاب امڈ آیا۔ بچی کے بڑے اگرچہ غریب اور دنیوی وسائل سے محروم تھے لیکن بڑے حوصلہ مند اور پُر عزم تھے۔ وہ مہمانوں کی ان گنت تعداد سے نہ گھبرائے اور نہ ہی ماتھے پر شکن پڑے۔ وہ انہیں جی آیانوں کہتے رہے اور جوان سے بن پڑا مہمانوں کے لیے کرتے رہے۔ لیکن قسمت کا لکھا کون مٹا سکتا ہے۔ موت ایک ایسی واحد اٹل حقیقت ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا کافر بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ 11 ستمبر 1948ء کو جب آزادی ابھی بمشکل 13 ماہ کی ننھی منی سی تھی، وہ ہمت کر کے اپنے پاؤں پر کھڑی تو ہو سکتی تھی لیکن ابھی اس نے چلنا بھی نہیں سیکھا تھا کہ وہ یتیم ہو گئی۔ کچھ لوگ بڑے جوش سے آگے بڑھے اور سینے پر ہاتھ مار کر کہنے لگے کہ ہم آزادی کو اپنی سرپرستی میں لیں گے۔ وہ مشرق کی طرف منہ کر کے مکے بھی لہراتے رہے، بچی بھی پوری طرح نہ سہی کچھ نہ کچھ مطمئن ہو گئی۔

آزادی جب 4 سال کی ہوئی تو ایک مولوی صاحب اسلامیہ پرائمری سکول کا فارم لے آئے۔ اُس سکول کے فارم پر جلی حروف میں لکھا تھا "قرار دادِ مقاصد"۔ بچی کے سرپرست فارم لینے سے ہچکچائے تو مولوی صاحب غصے میں آ گئے، کہنے لگے بچی کی پیدائش سے پہلے ہی یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اسے اسلامیہ سکول میں داخل کرایا جائے گا۔ اگر تم نے یہ فارم نہ لیا تو میں دنیا بھر میں ڈھنڈورا پیٹوں گا کہ تم جھوٹے اور دغا باز ہو اور وعدے سے مکر گئے ہو۔ مولوی صاحب کو غصے میں دیکھ کر آزادی کے ورثاء نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے فارم پکڑ لیا۔ مولوی صاحب کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو سکول کے فارم کو کاغذوں کے بڑے سے ڈھیر کے نیچے دبا دیا۔ جونہی مولوی صاحب اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے تو آزادی کو سیٹو سینٹو سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ اب بچی امریکی بولتی اور امریکی سنتی تھی۔ PL480 کی گندم کھاتی تھی۔ امریکن ڈشیں اسے بہت مرغوب ہو گئیں۔ اعلیٰ رہائشی اور سفری سہولتیں میسر آ گئیں۔ آزادی موٹی ہونا شروع ہو گئی! اس کے ورثاء اسے دیکھ کر پھولے نہیں سماتے تھے۔ کچھ احمقوں نے واویلا کرنا شروع کر دیا کہ آزادی بیماری سے پھول رہی ہے، اسے نشہ لگ گیا ہے، اس کا نشہ چھڑوا دو۔

6 ستمبر 1965ء کو مشرق سے اس پر زبردست حملہ ہوا۔ اس کے ورثاء نے اس کے ذاتی محافظوں کو یقین دلایا ہوا تھا کہ "سب اچھا ہے" لہٰذا وہ بھی غافل سو رہے تھے۔ لیکن خدا شاہد ہے کہ اس کے محافظ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اپنی جانیں قربان کر دیں لیکن آزادی کو کوئی گزند نہ پہنچنے دی۔ دشمن کے قدم جہاں تک پہنچے تھے وہیں روک دیئے گئے۔ دشمن امن امن پکارنے لگا۔ چودھریوں کے ڈیرے (U.N.O) سے سیز فائر کا حکم آ گیا۔ آزادی کے ورثاء چونکہ بڑے چودھری کا مال قرضے کے نام بٹور رہے تھے لہٰذا انہیں یاد آ گیا کہ قرآن حکم دیتا ہے کہ جب دشمن جنگ بند کر دے تو تم بھی جنگ سے باز رہو۔

1971ء میں آزادی کے مشرقی بازو پر دشمن نے زوردار حملہ کیا۔ آزادی کے محافظ اس وقت اس کی سرپرستی کا رول بھی ادا کر رہے تھے، لہٰذا اس کی حفاظت نہ ہو سکی اور اس کا نہ صرف ایک بازو بلکہ آدھا دھڑ دشمن نے کاٹ دیا۔ لنگڑی لولی آزادی کو 1973ء میں پھر بنانے سنوارنے کی کوشش کی گئی۔ اس کی سرجری کی گئی اور سے ایک ضابطہ حیات دینے کی کوشش کی گئی۔ لیکن جس قسم کے منشیات کی وہ چند برسوں سے عادی ہو چکی تھی اس کا کوئی علاج نہ کیا گیا بلکہ اسے کھڑا رکھنے کے لیے مطلوبہ دوا کی مقدار بڑھائی جاتی رہی۔ وقت گزرتا چلا گیا۔ آزادی کا ہر سرپرست اُسے یورپی اور امریکی ڈشیں کھلاتا اور پہناوے پہناتا، یہاں تک کہ آزادی کے محافظوں کے پاس بھی صرف امریکی اسلحہ ہوتا۔ لہٰذا مغربیت اُس کی نس نس میں رچ بس گئی تھی۔ وہ اسلامی معاشرت اور اقدار سے دور ہوتی چلی گئی، البتہ ابھی اُس میں اتنی بے باکی پیدا نہیں ہوئی تھی کہ اُن کے خلاف زبان کھولتی۔

گزشتہ صدی کے آخری سال کے موسم خزاں میں اُس کے سرپرست اور چیف محافظ کے درمیان اَن بن ہو گئی۔ اُس کے چیف محافظ کو ایک فضائی سفر کے دوران اغوا کرنے کی کوشش کی گئی۔ زمین پر اُس کے ساتھیوں نے اُس کے سرپرست کو مار بھگایا اور اپنے صاحب کو سرپرست کی کرسی پر بٹھا دیا۔ نیا صاحب جب مشرف بہ عوام ہوا تو لوگ دیکھ کر حیران ہوئے وہ شکل و صورت میں تو ہندوستان کے شہر دہلی کا لگتا تھا، سانولہ رنگ، چھوٹا قد، اُس کے گٹھے ہوئے جسم پر کمانڈو کی وردی بڑی جچ رہی تھی لیکن اُس کے دونوں ہاتھوں میں کتے تھے اور ہونٹ ٹیڑھے کر کے امریکی انگریزی بول رہا تھا۔ جب صحافیوں نے پوچھا آپ کی فارن پالیسی کیا ہو گی تو اُس نے دونوں کتے صحافیوں کے آگے کر دیئے۔ وہ آزادی کی حفاظت کے حوالہ سے بڑی حساسیت کا دعویٰ کرتا تھا۔ اُس نے مشرق کی طرف منہ کر کے آزادی کے واحد دشمن کو کہا میں تمہارے گھر آ کر تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ مشرق میں رہنے والے بتوں کے پجاریوں نے سوچا یہ شخص طبعاً بزاردمانوی ہے کیوں نہ اِسے ممتاز محل کے مرقد والے شہر میں مدعو کیا جائے، ماحول کا اثر ہو گا۔ دعوت ملنے پر اُس نے کمانڈو کی وردی اتاری (عارضی طور پر) اور پرانے جج بابا کی اچکن اتروا کر خود پہن لی۔ بابا روتا پیٹتا رہا لیکن بڑے گھر سے نکال دیا گیا اور خود وہ اُس شہر جا پہنچا جہاں مغل بادشاہ نے محبت کو لافانی کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ وہ دشمن کے گھر جا کر خوب بولا خوب گرجا اور لڑ جھگڑ کر واپس آ گیا۔ بتوں کے پجاریوں کو کسی نے یوں آنکھیں نہ دکھائی ہوں گی۔ آزادی خوب اچھلی کودی، خوب چہکی۔

پھر اچانک یہ ہوا نئی صدی کے پہلے سال ستمبر کی گیارہ تاریخ کو "آقا" کے گھر میں ایک زبردست دھماکہ ہوا۔ دو بہت بڑے ستون دھڑام سے گر پڑے۔ حیرانی کی بات ہے کہ دھماکہ سات سمندر پار ہوا لیکن سارا ملبہ آزادی کے اوپر آن گرا۔ وہ ملبے تلے بُری طرح دب گئی۔ اُس کی چیخ بھی سنائی نہ دی۔ بڑی مشکل سے اُسے نکال کر امریکی ہسپتال میں داخل کرایا لیکن وہ شدید زخمی تھی۔ اُس کی سانس اکھڑ چکی تھی۔ آزادی کا سرپرست جس نے اب وردی پہن کر اُس کے اوپر اچکن تان لی تھی اور اب تک بڑا جارحانہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھا، جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اُس کی ٹانگیں کانپنے لگیں سات سمندر پار رخ کر کے کہنے لگا جو کہو گے مانوں گا جو نہیں کہو گے وہ بھی مانوں گا۔ اپنے پڑوس میں بت کے پجاریوں کو بھی کبھی آنکھیں نہیں دکھاؤں گا۔ وہ اُدھر منہ کیے ہوں گے تب بھی اخلاقی تقاضے کے تحت آگے بڑھ کر ہاتھ ملاؤں گا۔ صبح و شام امن کا راگ الاپوں گا اور وہ جو شہ رگ تھی، جو کور ایشو تھا، اُس کا صرف نام لینے کی کبھی کبھی اجازت دے دیا کرو۔ میں تمہارے ساتھ مل کر شمال مغرب میں رہنے والوں کو تباہ و برباد کر دوں گا۔ سب کو معلوم ہے کہ میں گھنی داڑھی کالے عمامے اور لمبے جبے سے کتنا الرجک ہوں۔ میں جہاں اُنہیں دیکھوں گا ماروں گا اور تیرے حوالے کر دوں گا بس تم میری آزادی کو سانس لینے کے قابل کر دو۔ وہ مجھے لولی لنگڑی گونگی بہری مدہوش بھی قبول ہے۔ جواب میں امریکی ڈاکٹر کہنے لگا، تم آزادی بھول جاؤ۔ ہاں میں تمہیں اُس کی ایک ممی بنا دوں گا جو دیکھنے میں بالکل زندہ محسوس ہو گی۔ مرے کیوں جاتے ہو، زور زور سے نعرے لگاؤ، یہی آزادی ہے اور یہ زندہ ہے۔ تمہارے یہ ستاسی وزیر اور ننانوے وزیرِ مملکت کب کام آئیں گے یہ سب کورس کی صورت میں آزادی کا راگ گائیں گے تو کون نہیں مانے گا کہ آزادی زندہ ہے اور خوب زندہ ہے۔ اور ہاں وہ کیا نام ہے تمہارے لال حویلی والے وزیرِ مغلظیات پیچ تار شید کو اِس مہم کا انچارج بنا دو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس میں جرمنی کے "ٹوبلز" کو مات دینے کی صلاحیت ہے۔ کمانڈو سرپرست کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ ممی سے کام چلنے لگا۔ لوگ بھی دھوکے میں آ گئے لیکن اکثریت شک و شبہ میں مبتلا ہو گئی۔ لیکن 13 جنوری،

(باقی صفحہ 10 پر)

حکمراں ہے اک وہی

محمد حسین

ذرا غور کیجئے' جس زمین پر ہم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے۔ زمین میں بسنے والے انسان بھی اللہ کی تخلیق ہیں۔ بے شمار اسبابِ زندگی جس کے بل پر انسان جی رہے ہیں' انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ جب سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے تو حکومت بھی اسی کی ہونی چاہئے۔ جب دولت اللہ کی ہے' رعیت اللہ کی ہے' زمین اللہ کی ہے' سب کچھ اللہ کا ہے تو پھر کوئی اس کا حقدار کیسے ہوگیا کہ اللہ کے ملک میں اپنا حکم چلائے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ملک کسی کا ہو' پر حکم دوسرے چلائیں۔ ملکیت کسی اور کی ہو مالک کوئی دوسرا بن جائے۔ یہ بات عقل قبول نہیں کرتی۔ یہ صریح حق کے خلاف ہے۔

جہاں کہیں بھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان انسان پر حاکم بن جائے تو نتیجتاً فساد پھیلتا ہے۔ وطن عزیز کے حالات اس حقیقت کے گواہ ہیں۔ جہاں بدامنی' ظلم' عریانی' بے حیائی' بے ایمانی' رشوت عام ہے۔ سود خوری کا بازار گرم ہے۔ مالدار غریبوں کا خون چوستے ہیں۔ سودی معیشت قیامتیں ڈھارہی ہیں۔ اسے سند جواز عطا کی جارہی ہے۔ اس کی بنیاد پر بینک چل رہے ہیں۔ معاشرتی سطح پر لوگوں میں بے حیائی اور بداخلاقی روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ محض اس لیے کہ ان کی تعلیم و تربیت کا ایسا ہی انتظام کیا گیا ہے اور انہیں اخلاق اور انسانیت کے وہی نمونے دکھائے جارہے ہیں جو حکمرانوں کو پسند ہیں۔

آج دنیا میں ہر طرف بے حد و حساب خونریزی ہورہی ہے۔ انسان کا علم اس کی تباہی کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ انسان کی محنت کے پھل آگ کی نذر کیے جارہے ہیں اور بیش قیمت جانیں بے دردی سے ضائع کی جارہی ہیں۔ دنیا میں ہر طرف ظلم ہورہا ہے۔ کمزور کے لیے انصاف ایک خواب بن گیا ہے۔ غریب کی زندگی دشوار ہے۔ عدالتیں بنئے کی دوکان بنی ہوئی ہیں جہاں سے روپے پیسے کے عوض انصاف خریدا جارہا ہے۔ ساہوکار' زمیندار' راجے اور رئیس' گدی نشین پیر' سینما کمپنیوں کے مالک' شراب کے تاجر' فحش کتابیں اور رسالے شائع کرنے والے' جوئے کا کاروبار چلانے والے اور ایسے ہی بہت سے لوگ خلقِ خدا کی جان' مال' عزت' اخلاق ہر چیز کو تباہ کر رہے ہیں اور کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اولادِ آدم میں سے جو شریر اور بدمست لوگ ہیں وہ اقوامِ عالم کے رہنما اور اقتدار کی باگوں کے مالک بن گئے ہیں۔ اقتدار و اختیار ان کے ہاتھ میں ہے۔ حکومت کی کل بگڑی ہوئی ہے۔ طاقت جن ہاتھوں میں ہے وہ ظالم ہیں' وہ خود بھی ظلم کرتے ہیں اور ظالموں کا ساتھ بھی دیتے ہیں۔

حکومت کی خرابی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ لوگوں کے خیالات کا گمراہ ہونا' اخلاق کا بگڑنا' انسانی قوتوں اور قابلیتوں کا غلط راستوں میں صرف ہونا' کاروبار اور معاملات کی غلط صورتوں اور زندگی کے برے طور طریق کا رواج پانا' ظلم و ستم اور بد اعمالیوں کا پھیلنا اور خلق خدا کا تباہ ہونا یہ سب نتیجہ ہے اس بات کا کہ اختیارات اور اقتدار کی کنجیاں غلط ہاتھوں میں ہیں۔ ظاہر ہے جب طاقت بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگی تو وہ صرف بگاڑ ہی پھیلائیں گے اور جب تک اختیارات ان کے قبضہ میں رہیں گے کسی چیز کی اصلاح نہ ہوسکے گی۔

خلق خدا کی اصلاح کرنے اور لوگوں کو تباہی کے راستوں سے بچا کر فلاح اور سعادت کے راستوں پر لانے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ حکومت کے بگاڑ کو درست کیا جائے۔ جہاں لوگوں کو زنا کی آزادی حاصل ہو وہاں زنا کے خلاف خواہ کتنا ہی وعظ کہا جائے زنا کا بند ہونا محال ہے۔ اگر حکومت کے اختیارات حاصل کرکے زبردستی زنا کو بند کیا جائے تو لوگ خود بخود حرام راستے کو چھوڑ کر حلال کا راستہ اختیار کرلیں گے۔ شراب' جوا' سود' رشوت' فحش تماشے' بے حیائی کے لباس اور بداخلاق بنانے والی تعلیم اور اس طرح کے دوسرے برے کام اگر آپ وعظوں سے دور کرنا چاہیں تو ناممکن ہے۔ البتہ حکومت کے زور سے یہ سب بلائیں دور ہوسکتی ہیں۔ اگر آپ چاہیں کہ بندگانِ خدا کی محنت' دولت ذہانت و قابلیت غلط راستوں میں ضائع ہونے سے بچے اور صحیح راستوں میں صرف ہو' اگر آپ چاہیں ظلم مٹے اور انصاف ہو' اگر آپ چاہیں کہ زمین میں فساد نہ ہو' انسان انسان کا خون نہ بہائے اور دبے اور گرے ہوئے انسان اٹھائے جائیں اور تمام انسانوں کو یکساں عزت' امن' خوش حالی اور ترقی کے مواقع حاصل ہوں تو محض تبلیغ و تلقین کے زور سے یہ کام نہیں ہوسکتے۔ حکومت کی طاقت آپ کے پاس ہو تو یہ سب کچھ ہونا ممکن ہے۔

ذرا سی عقل اس بات کو سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ جو انسان خدا سے بے خوف ہو' جسے یہ فکر ہو ہی نہیں کہ کسی کو حساب دینا ہے' جو اپنی جگہ یہ سمجھ رہا ہو کہ کوئی نہیں جو مجھ سے پوچھ گچھ کرنے والا ہو تو پھر وہ انسان اختیارات پاکر اپنی من مانی کے بغیر کچھ نہیں کرے گا۔ ایسے شخص کے پاس وسائل رزق ہوں' لوگوں کی جانیں اور ان کے مال اس کی مٹھی میں ہوں' ہزاروں لاکھوں سر اس کے حکم کے آگے جھک رہے ہوں تو کیا وہ راستی اور انصاف پر قائم رہ سکے گا۔ کیا آپ توقع کرسکتے ہیں کہ وہ خزانوں کا امین ثابت ہوگا۔ کیا وہ حق مارنے' حرام کھانے اور بندگانِ خدا کو اپنی خواہشات کا غلام بنانے سے باز رہے گا؟ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ شخص خود بھی سیدھے راستے پر چلے اور دوسروں کو بھی سیدھے راستے پر چلائے گا؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ ایسا ہونا عقل کے خلاف ہے۔ ہزارہا برس کا تجربہ اس کے خلاف شہادت دیتا ہے۔ آج آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ خدا سے بے خوف اور آخرت کی جواب دہی سے غافل ہیں وہ اختیارات پاکر کس قدر ظالم' خائن اور بدراہ ہوجاتے ہیں۔

> اگر طاقت بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگی تو وہ صرف بگاڑ پھیلائیں گے اور جب تک اختیارات اُن کے قبضے میں رہیں گے کسی چیز کی اصلاح نہ ہوسکے گی

اجتماعی سطح پر جس اصلاح کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ انسان پر انسان کی حکومت نہ ہو بلکہ اللہ کی حکومت ہو۔ اس کو چلانے والے خود مالک الملک نہ بنیں بلکہ اللہ کو بادشاہ تسلیم کرتے ہوئے اس کے نائب کی حیثیت سے کام کریں اور یہ سمجھتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں کہ آخرکار اس امانت کا حساب اس بادشاہ کو دینا ہے جو کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے۔ قانون اس کی خدائی ہدایت پر مبنی ہو جو تمام حقیقتوں کا علم رکھتا ہے اور دانائی کا سرچشمہ ہے۔ اس قانون کو بدلنے یا اس میں ترمیم و تنسیخ کرنے کے اختیارات کسی کو نہ ہو تاکہ وہ انسانوں کی جہالت یا خودغرضی اور ناروا خواہشات کی دخل اندازی سے بگڑ نہ جائے۔ یہی وہ بنیادی اصلاح ہے جس کا اسلام تقاضا کرتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ملک میں اسلامی نظام (یعنی خلافت) کے قیام کے لیے جدوجہد کریں۔

❁ ❁ ❁

تنظیمی اطلاع

امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب نے مرکزی عاملہ کے اجلاس منعقدہ 4 جنوری میں اراکین کے مشورے کے بعد امیر حلقہ کی سفارش کو قبول کرتے ہوئے سکھر کی مقامی تنظیم کو ختم کرنے اور تین منفرد اسرہ جات میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا۔

خدا مغفرت کرے عجب "آزاد محترمہ" تھی

ایوب بیگ مرزا

14 اگست 1947 کو جنوبی ایشیا میں ایک بچی پیدا ہوئی۔ بچی اگرچہ میجر آپریشن سے پیدا ہوئی تھی اور بڑی نحیف اور کمزور سی تھی لیکن اس کا چہرہ روشن اور چمکتا ہوا تھا۔ خاندان کے بڑوں نے بڑے چاؤ سے نام آزادی رکھا۔ آزادی کا دیدار کرنے اور اس کی زیارت حاصل کرنے کے لیے مشرق کی طرف سے مہمانوں کا سیلاب امڈ آیا۔ بچی کے بڑے اگرچہ غریب اور دنیوی وسائل سے محروم تھے لیکن بڑے حوصلہ مند اور پُرعزم تھے۔ وہ مہمانوں کی ان گنت تعداد سے نہ گھبرائے اور نہ ہی ماتھے پر شکن پڑے۔ وہ انہیں جی آیا نوں کہتے رہے اور جوان سے بن پڑا مہمانوں کے لیے کرتے رہے۔ لیکن قسمت کا لکھا کون مٹا سکتا ہے۔ موت ایک ایسی واحد اٹل حقیقت ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا کافر بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ 11 ستمبر 1948ء کو جب آزادی ابھی بمشکل 13 ماہ کی ننھی منی سی تھی' وہ ہمت کر کے اپنے پاؤں پر کھڑی تو ہو سکتی تھی لیکن ابھی اس نے چلنا بھی نہیں سیکھا تھا کہ وہ یتیم ہو گئی۔ کچھ لوگ بڑے جوش سے آگے بڑھے اور سینے پر ہاتھ مار کر کہنے لگے کہ ہم آزادی کو اپنی سرپرستی میں لیں گے۔ وہ مشرق کی طرف منہ کر کے کے بھی لہراتے رہے' بچی بھی پوری طرح نہ سہی کچھ نہ کچھ مطمئن ہو گئی۔

آزادی جب 4 سال کی ہوئی تو ایک مولوی صاحب اسلامیہ پرائمری سکول کا فارم لے آئے۔ اُس سکول کے فارم پر جلی حروف میں لکھا تھا "قرار داد مقاصد"۔ بچی کے سرپرست فارم لینے سے ہچکچائے تو مولوی صاحب غصے میں آ گئے' کہنے لگے بچی کی پیدائش سے پہلے ہی یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اسے اسلامیہ سکول میں داخل کرایا جائے گا۔ اگر تم نے یہ فارم نہ لیا تو میں دنیا بھر میں ڈھنڈورا پیٹوں گا کہ تم جھوٹے اور دغا باز ہو اور وعدے سے مکر گئے ہو۔ مولوی صاحب کو غصے میں دیکھ کر آزادی کے ورثاء نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے فارم پکڑ لیا۔ مولوی صاحب کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو سکول کے فارم کو کاغذوں کے بڑے سے ڈھیر کے نیچے دبا دیا۔ جونہی مولوی صاحب اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے تو آزادی کو سیٹو سینٹو سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ اب بچی امریکی بولتی اور امریکی سنتی تھی۔ PL480 کی گندم کھاتی تھی۔ امریکن ڈشیں اسے بہت مرغوب ہو گئیں۔ اعلیٰ رہائشی اور سفری سہولتیں میسر آ گئیں۔ آزادی موٹی ہونا شروع ہو گئی! اس کے ورثاء اسے دیکھ کر پھولے نہیں سماتے تھے۔ کچھ احمقوں نے واویلا کرنا شروع کر دیا کہ آزادی بیماری سے پھول رہی ہے' اسے نشہ لگ گیا ہے' اس کا نشہ چھڑوا دو۔

6 ستمبر 1965ء کو مشرق سے اس پر زبردست حملہ ہوا۔ اس کے ورثاء نے اس کے ذاتی محافظوں کو یقین دلایا ہوا تھا کہ "سب اچھا ہے" لہٰذا وہ بھی غافل سو رہے تھے۔ لیکن خدا شاہد ہے کہ اس کے محافظ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اپنی جانیں قربان کر دیں لیکن آزادی کو کوئی گزند نہ پہنچنے دی۔ دشمن کے قدم جہاں تک پہنچے تھے وہیں روک دیئے گئے۔ دشمن امن امن پکارنے لگا۔ چودھریوں کے ڈیرے (U.N.O) سے سیز فائر کا حکم آ گیا۔ آزادی کے ورثاء چونکہ بڑے چودھری کا مال قرضے کے نام بٹور رہے تھے لہٰذا انہیں یاد آ گیا کہ قرآن حکم دیتا ہے کہ جب دشمن جنگ بند کر دے تو تم بھی جنگ سے باز رہو۔

1971ء میں آزادی کے مشرقی بازو پر دشمن نے زوردار حملہ کیا۔ آزادی کے محافظ اس وقت اس کی سرپرستی کا رول بھی ادا کر رہے تھے' لہٰذا اس کی حفاظت نہ ہو سکی اور اس کا نہ صرف ایک بازو بلکہ آدھا دھڑ دشمن نے کاٹ دیا۔ لنگڑی لولی آزادی کو 1973ء میں پھر بنانے سنوارنے کی کوشش کی گئی۔ اس کی سرجری کی گئی اور سے ایک ضابطہ حیات دینے کی کوشش کی گئی۔ لیکن جس قسم کے منشیات کی وہ چند برسوں سے عادی ہو چکی تھی اس کا کوئی علاج نہ کیا گیا بلکہ اسے کھڑا رکھنے کے لیے مطلوبہ دوا کی مقدار بڑھائی جاتی رہی۔ وقت گزرتا چلا گیا۔ آزادی کا ہر سرپرست اُسے یورپی اور امریکی ڈشیں کھلاتا اور پہناوے پہناتا' یہاں تک کہ آزادی کے محافظوں کے پاس بھی صرف امریکی اسلحہ ہوتا۔ لہٰذا مغربیت اُس کی نس نس میں رچ بس گئی تھی۔ وہ اسلامی معاشرت اور اقدار سے دور ہوتی چلی گئی' البتہ ابھی اُس میں اتنی بے باکی پیدا نہیں ہوئی تھی کہ اُن کے خلاف زبان کھولتی۔

گزشتہ صدی کے آخری سال کے موسم خزاں میں اُس کے سرپرست اور چیف محافظ کے درمیان اَن بن ہو گئی۔ اُس کے چیف محافظ کو ایک فضائی سفر کے دوران اغوا کرنے کی کوشش کی گئی۔ زمین پر اُس کے ساتھیوں نے اُس کے سرپرست کو مار بھگایا اور اپنے صاحب کو سرپرست کی کرسی پر بٹھا دیا۔ نیا صاحب جب مشرف بہ عوام ہوا تو لوگ دیکھ کر حیران ہوئے وہ شکل وصورت میں تو ہندوستان کے شہر دہلی کا لگتا تھا' سانولہ رنگ' چھوٹا قد' اُس کے گٹھے ہوئے جسم پر کمانڈو کی وردی بڑی جچ رہی تھی لیکن اُس کے دونوں ہاتھوں میں کتے تھے اور ہونٹ ٹیڑھے کر کے امریکی انگریزی بول رہا تھا۔ جب صحافیوں نے پوچھا آپ کی فارن پالیسی کیا ہو گی تو اُس نے دونوں کتے صحافیوں کے آگے کر دیئے۔ وہ آزادی کی حفاظت کے حوالہ سے بڑی حساسیت کا دعویٰ کرتا تھا۔ اُس نے مشرق کی طرف منہ کر کے آزادی کے واحد دشمن کو کہا میں تمہارے گھر آ کر تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ مشرق میں رہنے والے بتوں کے پجاریوں نے سوچا یہ شخص طبعاً بڑا رومانوی ہے کیوں نہ اسے ممتاز محل کے مرقد والے شہر میں مدعو کیا جائے' ماحول کا اثر ہو گا۔ دعوت ملنے پر اُس نے کمانڈو کی وردی اتاری (عارضی طور پر) اور پرانے جج بابا کی اچکن اتروا کر خود پہن لی۔ بابا روتا پیٹتا رہا لیکن بڑے گھر سے نکال دیا گیا اور خود وہ اُس شہر جا پہنچا جہاں مغل بادشاہ نے محبت کو لافانی کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ وہ دشمن کے گھر جا کر خوب بولا خوب گرجا اور لڑ جھگڑ کر واپس آ گیا۔ بتوں کے پجاریوں کو کسی نے یوں آنکھیں نہ دکھائی ہوں گی۔ آزادی خوب اچھلی کودی' خوب چہکی۔

پھر اچانک یہ ہوا نئی صدی کے پہلے سال ستمبر کی گیارہ تاریخ کو "آقا" کے گھر میں ایک زبردست دھماکہ ہوا۔ دو بہت بڑے ستون دھڑام سے گر پڑے۔ حیرانی کی بات ہے کہ دھماکہ سات سمندر پار ہوا لیکن سارا ملبہ آزادی کے اوپر آن گرا۔ وہ ملبے تلے بُری طرح دب گئی۔ اُس کی چیخ بھی سنائی نہ دی۔ بڑی مشکل سے اُسے نکال کر امریکی ہسپتال میں داخل کرایا لیکن وہ شدید زخمی تھی۔ اُس کی سانس اکھڑ چکی تھی۔ آزادی کا سرپرست جس نے اب وردی پہن کر اُس کے اوپر اچکن تان لی تھی اور اب تک بڑا جارحانہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھا' جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اُس کی ٹانگیں کانپنے لگیں سات سمندر پار رخ کر کے کہنے لگا جو کہو گے مانوں گا جو نہیں کہو گے وہ بھی مانوں گا۔ اپنے پڑوس میں بت کے پجاریوں کو بھی کبھی آنکھیں نہیں دکھاؤں گا۔ وہ اُدھر منہ کیے ہوں گے تب بھی اخلاقی تقاضے کے تحت آگے بڑھ کر ہاتھ ملاؤں گا۔ صبح وشام امن کا راگ الاپوں گا اور وہ جو شہ رگ تھی' جو کور ایشو تھا' اُس کا صرف نام لینے کی کبھی کبھی اجازت دے دیا کرو۔ میں تمہارے ساتھ مل کر شمال مغرب میں رہنے والوں کو تباہ و برباد کر دوں گا۔ سب کو معلوم ہے کہ میں گھنی داڑھی کالے عمامے اور لمبے جبے سے کتنا الرجک ہوں۔ میں جہاں اُنہیں دیکھوں گا ماروں گا اور تیرے حوالے کر دوں گا بس تم میری آزادی کو سانس لینے کے قابل کر دو۔ وہ مجھے لولی لنگڑی گونگی بہری مدہوش بھی قبول ہے۔ جواب میں امریکی ڈاکٹر کہنے لگا' تم آزادی بھول جاؤ۔ ہاں میں تمہیں اُس کی ایک ممی بنا دوں گا جو دیکھنے میں بالکل زندہ محسوس ہو گی۔ مرے کیوں جاتے ہو' زور زور سے نعرے لگاؤ' یہی آزادی ہے اور یہ زندہ ہے۔ تمہارے یہ ستاسی وزیر اور ننانوے وزیر مملکت کب کام آئیں گے یہ سب کورس کی صورت میں آزادی کا راگ گائیں گے تو کون نہیں مانے گا کہ آزادی زندہ ہے اور خوب زندہ ہے۔ اور ہاں وہ کیا نام ہے تمہارے لال حویلی والے وزیر مغلظیات پیچ تار شید کو اِس مہم کا انچارج بنا دو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس میں جرمنی کے "گوئبلز" کو مات دینے کی صلاحیت ہے۔ کمانڈو سرپرست کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ ممی سے کام چلنے لگا۔ لوگ بھی دھوکے میں آ گئے لیکن اکثریت شک و شبہ میں مبتلا ہو گئی۔ لیکن 13 جنوری،

(باقی صفحہ 10 پر)

مہتمم جامعہ مدنیہ (کریم پارک) مولانا رشید میاں سے امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید کی ملاقات

تنظیم اسلامی کی مرکزی عاملہ نے چند ماہ قبل فیصلہ کیا تھا کہ ملک میں حکومتی سطح پر سیکولرازم کو پروموٹ کرنے کی کوششوں کا مقابلہ کرنے کے لیے امیر تنظیم اسلامی اور دیگر مرکزی رہنماؤں کو دوسری دینی و سیاسی جماعتوں کے سرکردہ رہنماؤں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کرنا اور علماء حق سے رابطہ کرنا چاہیے تاکہ سیکولر قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کوئی مشترکہ لائحہ عمل بنایا جائے۔ اِس سلسلہ میں قبل ازیں امیر تنظیم اسلامی جناب عاکف سعید ناظم اعلیٰ اور راقم کی معیت میں جامعہ اشرفیہ اور جامعہ نعیمیہ کے مہتمم حضرات سے ملاقات اور اہم امور پر تبادلہ خیال کر چکے ہیں جس کی مختصر رپورٹ ندائے خلافت کے صفحات میں ہدیۂ قارئین کی جا چکی ہے۔ بعدازاں رمضان المبارک اور قیامت خیز زلزلہ کے باعث اِس سلسلہ کو جاری نہ رکھا جاسکا۔ اب اس سلسلہ کو دوبارہ بحال کیا گیا ہے۔ چنانچہ 19 جنوری کو جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور جاکر مولانا حامد میاں مرحوم کے بڑے صاحبزادے مولانا رشید میاں سے ملاقات ہوئی۔

مولانا سے نماز مغرب اور نماز عشاء کے مابین وقت طے تھا۔ راقم اور امیر محترم پونے سات بجے جامعہ مدنیہ پہنچے۔ مولانا بڑے گرم جوشی سے ملے اور اپنی بیٹھک میں لے گئے۔ ابھی علیک سلیک اور خیر و عافیت معلوم کرنے کا تبادلہ ہو رہا تھا کہ عشاء کی اذان ہوگئی۔ نماز سے فراغت ہوئی تو مولانا فرمانے لگے پہلے جامعہ کے مختلف شعبہ جات کا وزٹ کرلیں۔ اندرون شہر کے قرب میں واقع شہر کے اس نہایت گنجان آبادی کے علاقے میں جہاں چھوٹی چھوٹی گلیوں اور محلوں میں دو یا تین کمروں کے مکانات ہیں' وہاں کئی کنال میں پھیلی ہوئی دینی درسگاہ کا ہونا حیران کن تھا۔ پرانی عمارت اپنا وقت پورا کرچکی ہے اور شکستہ حال میں ہے چنانچہ اُس کے اکثر حصوں میں تعمیر نو جاری ہے۔ پرانی مسجد کو شہید کر کے نئی کشادہ مسجد تعمیر کی جا چکی ہے۔ لڑکوں کا ایک سکول ہے جو ابھی پرانی عمارت میں ہے لیکن اُس کا نیا ہوسٹل زیر تعمیر ہے۔ سب سے انوکھی اور حیران کن بات ہے کہ جامعہ میں ایک جدید ہسپتال قائم کیا گیا ہے جس کی لیبارٹری میں جدید ترین مشینیں نصب ہیں۔ البتہ تدریس کا کوئی الگ بلاک قائم نہیں کیا گیا' لہٰذا طلبہ اور اساتذہ مسجد میں اور دوسرے کمروں میں تدریسی امور سرانجام دیئے جاتے ہیں۔

امیر محترم مولانا کی رفاہ عامہ کی سعی و جہد کو سراہتے ہوئے واپس مولانا کے گھر واپس پہنچ گئے۔ وہاں روایتی فرشی نشست تھی۔ امیر محترم نے مولانا سے سوال کیا کہ پاکستان کے حالات کیسے جا رہے ہیں اور کیا ایم ایم اے اپنے فرائض ادا کر رہی ہے۔ مولانا نے فرمایا سیکولرازم چھا رہا ہے اور ایم ایم اے نہ کچھ کر رہی ہے اور نہ کچھ کرسکتی ہے۔ امیر محترم نے لقمہ دیا کہ ایک طرف حکومت سیکولرازم کو دن رات پروموٹ کر رہی ہے اور اِس آڑ میں بے حیائی اور فحاشی کو عام کر رہی ہے۔ مخلوط میراتھن ہو رہی ہے۔ دوسری طرف لبرل علماء کے تعاون سے اسلام کا ایسا ایڈیشن تیار کیا جا رہا ہے جو اسلام دشمن قوتوں کے لیے قابل قبول ہو۔ فتنہ انکار حدیث ایک نئے انداز میں سامنے آرہا ہے جس میں انکار حدیث علی الاعلان نہیں بلکہ ڈھکا چھپا ہے۔ جس سے معصوم اور کم علم مسلمان گمراہ ہو رہے ہیں۔

امیر محترم نے سوال کیا' مولانا! ایم ایم اے کی ناکامی اب کوئی راز نہیں رہی' آپ اصلاح احوال کے لیے کیا تجویز کریں گے۔ ''میری رائے میں اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہماری آواز عوام تک پہنچ نہیں پاتی۔ صرف جدید تعلیم یافتہ طبقے کی بات پر عوام توجہ دیتے ہیں لہٰذا انگلش میڈیم سکول قائم کیے جائیں''۔ مولانا نے بڑے سپاٹ انداز میں جواب دیا۔ ہمارے حیران ہونے پر فرمانے لگے'لوگ اب ایسے ہی سکولوں کالجوں کی طرف متوجہ ہوں گے' دوسرے ناکام ہوجائیں گے۔ ہمیں چاہیے کہ ایسے سکول قائم کر کے پھر انہیں دینیات اور اُردو کی طرف راغب کریں وگرنہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں گے۔ عوام موجودہ حالات میں صرف دین کی طرف توجہ نہیں دیں گے۔ لندن سے آئے ہوئے مولانا کے ایک مہمان بھی گفتگو میں شریک ہوگئے اور مولانا کے خیالات کی بھرپور تائید کی۔ کچھ پرانی یادیں تازہ ہوئیں۔ مرحوم و مغفور مولانا حامد میاں کا ذکر ہوا۔ وہ بانی' محترم سے بڑی شفقت و محبت سے پیش آتے تھے۔ قرآن کانفرنس کے لیے مقالات لکھ کر بھیجا کرتے تھے اور تنظیم اسلامی کے مستشارین میں سرفہرست تھے اور اکثر مفید مشوروں سے نوازتے تھے۔ مولانا نے ہماری خشک میوہ جات اور کافی سے تواضع کی اور واپسی پر قیمتی کتب بطور تحفہ دیں اور بڑے پرتپاک انداز میں الوداع کہا۔

(مرتب: مرزا ایوب بیگ)

بقیہ: اداریہ

اور صوبے دوسری انتہا یعنی کنفیڈریشن کی باتیں کرنے لگے۔

ہمیں اِس حقیقت کا ادراک ہونا چاہیے کہ مسلمانوں نے برصغیر کی تقسیم اِس لیے کرائی تھی کہ دنیا کے سامنے ایک اسلامی فلاحی ریاست کا نمونہ پیش کرسکیں۔ صدر محترم! کوئی فرد یا معاشرہ اُس وقت تک ترقی نہیں کرسکتا جب تک وہ اپنے ماضی کا اِس عزم کے ساتھ جائزہ نہ لے کہ وہ اپنی سابقہ غلطیوں اور کوتاہیوں کی تلافی کرے گا۔ بھارت سے کامیاب اور فیصلہ کن مذاکرات کرنے کے لیے ہمیں قوت درکار ہے لیکن نظریۂ پاکستان سے انحراف کر کے ہمارے لیے قوت کا حصول مشکل ہی نہیں' ناممکن ہے۔ جناب! صدر صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اُسے بھولا نہیں کہتے۔ ابھی وقت ہے' اِس کی قدر کریں۔ وقت جاتا رہا تو پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں لگے گا۔ اپنا قبلہ درست کرلیں۔ فرعون' شداد' نمرود' چنگیز خان' ہلاکو خاں' ہٹلر سب وقت کی بہت بڑی اور خوفناک قوتیں تھیں' سب خاک میں مل کر خاک ہوگئیں۔ آج کا فرعون بھی نہیں رہے گا۔ کبریائی صرف اللہ کو زیب دیتی ہے۔ آپ اُس کے سامنے سجدہ ریز ہوجائیں۔ دنیا بش سمیت آپ کے قدموں میں ڈھیر ہوجائے گی۔

بقیہ: ''خدا مغفرت کرے......''

2006ء کو مئی کے باجوڑی سر پر گولہ لگا۔ کمانڈو سرپرست نے معمولی سی ناراضی کا اظہار کیا' اپنے حسابی کتابی عزیز کو امریکہ منت سماجت کے لیے بھیج دیا اور نارشید کو حکم دیا تم کہہ دو آزادی کا زخم معمولی ہے' جلد ٹھیک ہو جائے گی۔ لیکن لوگ اب نہیں مان رہے' وہ کہتے ہیں وہ مرچکی ہے اور حکومت نے رات کے اندھیرے میں اُسے ڈمہ ڈولہ میں دفنا دیا ہے۔ 14 جنوری کو لوگوں نے اُس کی قبر پر سنگِ مرمر نصب کروا کر لکھ دیا۔

آزادی بی بی عمر 58 سال 5 ماہ   اناللہ وانا الیہ راجعون

اخوان کے چوتھے مرشدِ عام

سید محمد حامد ابوالنصر

سید قاسم محمود

مئی 1986ء میں الاخوان المسلمون کے تیسرے مرشدِ عام شیخ عمر تلمسانی کے انتقال کے بعد مکتبِ ارشاد نے اپنے ایک سینئر رکن سید محمد حامد ابو النصر کو اتفاق رائے سے نیا مرشدِ عام منتخب کیا۔

سید محمد حامد 25 مارچ 1913ء کو دریائے نیل کے مغرب میں مصر سعید کے ایک شہر منفلوط میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک متوسط مگر آسودہ حال زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ گھرانہ طویل عرصے سے اپنی سیاسی وسماجی خدمات اور انگریز دشمنی کی وجہ سے علاقے کے عوام میں مقبول چلا آ رہا ہے۔ آپ کے دادا علاقے کی ایک نہایت معزز مذہبی اور سماجی شخصیت تھے جن کا شمار کرنل احمد اعرابی پاشا کے اُن قابلِ اعتماد دوستوں میں ہوتا تھا' جنہوں نے 1876ء میں ایک خفیہ تنظیم ''الحزب الوطنی'' قائم کی تھی اس تنظیم نے اپنے قیام کے فوراً بعد جذبۂ قومیت ابھارنے اور حکومت کی اہم پالیسیوں میں برطانوی مداخلت اور انتظامی شعبوں میں برطانوی اور فرانسیسی اثر ورسوخ کے خلاف احتجاجات کا سلسلہ شروع کیا۔ جس نے 1879ء میں ایک زبردست تحریک کی شکل اختیار کر لی تھی۔ 1880ء میں خدیو توفیق نے قوم پرستوں کی سرگرمیوں سے تنگ آ کر پورے ملک سے اس تنظیم کے سینکڑوں لیڈر اور کارکن گرفتار کیے' جن میں آپ کے دادا بھی شامل تھے۔ انہیں اُن کے دینی اور سماجی رُتبے کے پیشِ نظر گھر میں نظر بند کیا گیا۔ پھر اس نظر بندی کے دوران انہیں زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔

اپنی خاندانی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے سید محمد حامد نے اوائل عمری میں علاقے کی سماجی اور سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ کالج کے زمانے میں آپ ''انجمن شبان المسلمین'' میں شامل ہوئے اور منفلوط شاخ کے خزانچی بنائے گئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ ''جمعیت الاصلاح الاجتماعی'' میں شامل ہوئے اور بعد ازاں اس کے صدر بنائے گئے۔ اُس زمانے میں آپ ''حزب الوفد'' میں بھی شامل ہوئے۔ 1932ء میں آپ ابھی بی اے کے طالب علم تھے کہ علاقے کی ایک معزز شخصیت اور معروف ازہری عالم دین شیخ محمود سویلم کی زبانی الاخوان المسلمون اور اُس کے مرشدِ عام کا نام سُنا۔ شیخ محمود سویلم نے شیخ حسن البناء کا تعارف اس انداز سے کرایا کہ آپ کے دل میں مرشدِ عام سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ آپ ہر وقت اِسی سوچ میں رہتے تھے کہ مرشدِ عام سے کیسے اور کہاں ملاقات کی جائے۔ اِس انتظار میں دو سال گزر گئے۔

حسن البناء سے اپنی پہلی ملاقات کے بارے میں سید محمد حامد رقم طراز ہیں: جناب محمد عبدالدائم نے مجھے بتایا کہ امام حسن البناء شہید ''جمعیت شبان المسلمین'' کی دعوت پر اسیوط آئے ہوئے ہیں۔ میں نے ٹیلیفون اٹھایا اور اسیوط کے دفتر میں رابطہ قائم کیا۔ امام شہید سے مجھے پہلی بار ہم کلام ہونے کا شرف ٹیلیفون پر حاصل ہوا۔ میں نے عرض کیا: ''کیا فضیلت الاستاذ حسن البناء موجود ہیں''۔ انہوں نے شیریں لہجے میں جواب دیا: ''جی ہاں' میں بول رہا ہوں''

میں نے کہا: ''جناب کی آمد سے اسیوط کا سارا علاقہ بقعۂ نور بن گیا ہے۔ کیا اس فیضِ عام سے منفلوط کو بھی کچھ حصہ مل سکتا ہے؟''

امام شہید نے پوچھا: ''کیا زمین تیار ہے؟''

میں نے بڑے زور کے ساتھ کہا: ''جی ہاں بالکل تیار' اور بیج کی منتظر ہے''۔

امام شہید میرے جواب سے بہت خوش ہوئے' اور فرمایا: ''اگر یہ بات ہے تو پھر ان شاء اللہ مغرب سے پہلے حاضر ہو جائیں گے۔''

''میں نے اُن کے اعزاز میں فوری طور پر دو پروگرام مرتب کیے۔ ایک عصرانہ جس کے لیے منفلوط میں بڑے بڑے سرکاری افسروں' صاحبِ حیثیت تاجروں اور معروف شخصیات کو دعوت دی۔ معزز مہمان مغرب سے ذرا پہلے تشریف لائے۔ مجھے آج تک وہ پہلی ملاقات یاد ہے۔ پورا ماحول معزز مہمان کے وجودِ گرامی سے جگمگا اٹھا۔ ابھی آپ نے حاضرین سے ہاتھ ملانے اور باہمی تعارف کا مرحلہ طے نہیں کیا تھا کہ مسجد سے مغرب کی آواز سنائی دی۔ اذان کی آواز سنتے ہی مرشدِ عام نے مسجد کا رُخ کیا۔ ہمارے گھر سے متصل ہماری آبائی مسجد ''ابو النصر'' میں سب لوگوں کے ساتھ نماز ادا کی اور نماز کے فوراً بعد دعوت میں تشریف لائے۔ اِس تقریب میں امام شہید نے مختصر خطاب فرمایا' جس میں دعوت کے بنیادی نکات پیش کیے۔ خطاب اتنا موثر اور دل نشین تھا کہ ایک ایک لفظ لوگوں کے دلوں میں اترتا چلا گیا۔ پروگرام کے بعد ہر شخص محسوس کر رہا تھا کہ اس نے بہت کچھ پالیا ہے۔

نمازِ عشاء کے بعد دوسرا پروگرام ہوا۔ یہ اجتماعِ عام تھا جو ''جمعیت شبان المسلمین'' کے دفتر کے وسیع وعریض میدان میں برپا ہوا۔ خطاب اتنا اثر انگیز تھا کہ کئی مرتبہ لوگوں کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ شعلہ نوا خطیب نے جہاں مجمع کو رُلایا' وہاں کئی مواقع پر ایسے لطائف بھی بیان کیے کہ مجلس کشتِ زعفران بن گئی۔ جلسے کے بعد آپ میرے گھر تشریف لائے۔ میں نے آپ کے قیام کے لیے مقدور بھر اہتمام کر رکھا تھا۔ آپ قالین پر چار زانوں بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا: ''سید محمد' اور سناؤ کیا حال ہے؟ آج رات کے پروگرام کو تم نے کیسا پایا؟'' میں نے عرض کیا کہ حُسنِ خطابت سے ہر شخص متاثر ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''حسنِ خطابت کو چھوڑو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ میں نے جو مضمون اور پیغام پیش کیا ہے' اُس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟'' میں نے کہا: ''مضمون اور پیغام تو اکثر خطیب اور واعظ یہی پیش کرتے ہیں' مگر وہ ماضی اور حال کا موازنہ کرنے کے بعد سامعین کو منجدھار میں چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ نے اس حالتِ زار سے نکلنے کی طرف بھی ارشاد فرمایا ہے۔ آپ نے پوچھا ہے' تم اپنی رائے دو کہ موجودہ حالت سے نکلنے کے بارے میں تم نے بھی غور کیا؟'' تو میں ہمیشہ اپنا پستول اپنے پاس رکھتا تھا۔ میں نے پستول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا' اُمت کی عظمتِ رفتہ کی بازیابی کا ایک ہی وسیلہ ہے' اور وہ یہ ہے۔ میرا جواب سن کر آپ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی' جیسے آپ نے اپنا مقصود پالیا ہو۔ آپ نے مجھ سے کہا' ذرا تفصیل سے اپنا مدعا بیان کرو۔ میں نے پھر وہی الفاظ دہرائے۔ میرے الفاظ سن کر امام شہید نے اپنے بیگ میں سے قرآن مجید کا نسخہ نکالا اور فرمایا' اس کے ساتھ یہ بھی شامل کر لو' اور اگر ہمت ہے تو دونوں ہاتھ رکھ کر مجھ سے عہد کرو...... کیا ایسا کر سکتے ہو؟ میں نے پورے عزم و یقین کے ساتھ کہا' میں بالکل تیار ہوں۔ میں نے ہمیشہ محسوس کیا ہے کہ اُس وقت مشیتِ ایزدی تھی' جس نے مجھے راہ سجھائی اور میں نے پوری دل جمعی کے ساتھ امام کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جب بیعت ہو چکی تو مرشدِ عام نے میرے لیے استقامت کی دُعائیں مانگیں اور مجھے مبارکباد بھی دی اور فرمایا تمہارے اِس پورے علاقے میں یہ پہلی بیعت ہے۔

• مرشدِ عام حسن البناء نے آپ ہی کو اس علاقے کا امیر مقرر کیا اور توسیعِ دعوت کے لیے علاقے کا دورہ کرنے کی ہدایت کی۔ اگلے سال بیروط اور قوصیہ میں بھی اخوان کی شاخیں قائم کر دی گئیں اور اُسی سال آپ کو صوبہ اسیوط کا امیر بنا دیا گیا۔

1939ء میں آپ قبائلی علاقوں کی طرف سے مکتبِ ارشاد کے رُکن نامزد ہوئے۔ مسلسل دس سال 1949ء تک آپ اس کے رکن رہے۔ مکتبِ ارشاد کے رُکن کی حیثیت سے آپ نے حسن البناء کی معیت میں متعدد مقامات کے دورے کیے۔ 1946ء میں آپ نے منفلوط کے حلقے سے پارلیمنٹ کے انتخابات میں حصہ لیا۔ انتخابات میں حکومت کی زبردست دھاندلی کی وجہ سے

آپ شکست کھا گئے۔ 1946ء میں دو مرتبہ آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اِن حملوں میں وفد پارٹی ملوث تھی۔

جنگِ عظیم دوم کے دوران میں حکومت نے مرشد عام کو قاہرہ سے گرفتار کر کے قنطا جیسے دُور دراز مقام پر بھیج دیا۔ آپ نے قبطی لیڈر توفیق پاشا سے شیخ حسن البناء کی تقرری کے سلسلے میں متعدد ملاقاتیں کیں۔ توفیق پاشا نے مرشد عام کی نظر بندی کے مسئلے کو پارلیمنٹ میں پیش کیا۔ چنانچہ رسوائی کے ڈر سے حکومت نے مرشدِ عام کو رہا کر دیا۔ 1948ء کے جہادِ فلسطین میں اخوانی مجاہدین کے لیے اسلحہ اور خوراک کی ترسیل کو ممکن بنایا۔ 1949ء میں آپ پہلی دفعہ بغیر لائسنس پستول رکھنے کے الزام میں گرفتار ہوئے اور چھ ماہ قید کی سزا سنائی گئی۔ یہ پستول پولیس والے اپنے ہمراہ لائے تھے۔ دوسرے دن آپ بیس پونڈ کی ضمانت پر رہا ہوئے۔

انقلابِ مصر 1952ء کے لیے ''آزاد افسروں'' کے ساتھ مل کر جن اخوانی لیڈروں نے شاہ فاروق کا تختہ الٹنے کی منصوبہ بندی کی تھی' آپ بھی اُن میں شامل تھے۔ 1953ء میں انقلابی کونسل اور اخوان کے درمیان بعض اصولی اختلافات شروع ہوئے تو مرشد عام حسن الہضیبی نے مکتبِ ارشاد کے جن سنیئر ارکان کو مذاکرات کی ذمہ داری سونپی' اُن میں آپ نمایاں تھے۔ آپ نے جمال عبدالناصر کے اصل عزائم کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا اور اپنے ساتھیوں کو آگاہ کر دیا تھا کہ جمال عبدالناصر مرشد عام کو اُن کے عہدے سے الگ کر کے اپنی مرضی کے کسی کمزور اخوانی کو آگے لانا چاہتا ہے تاکہ الاخوان المسلمون میں انتشار پیدا ہو سکے۔ چنانچہ آپ نے مرشدِ عام حسن الہضیبی اور جسٹس عبدالقادر عودہ کی پہلی گرفتاریوں کے زمانے میں جمال عبدالناصر کی اِس سازش کو تن تنہا ناکام بنایا۔

اخوان میں انتشار اور بدنظمی پیدا کرنے میں ناکام ہونے کے بعد انقلابی کونسل نے جمال عبدالناصر پر قاتلانہ حملے کا ڈراما رچایا اور ذمہ داری اخوان پر ڈالی گئی۔ اس سلسلے میں پورے ملک میں بڑے پیمانے پر گرفتاریاں ہوئیں۔ مکتبِ ارشاد کے رُکن کی حیثیت سے آپ بھی گرفتار ہوئے۔ آپ کا تعلق جمال عبدالناصر کے آبائی علاقے سے تھا' اُس نے آپ کو پیشکش کی کہ اگر اخوان سے لاتعلق کا اعلان کر دیں تو رہائی مل سکتی ہے۔ آپ نے انکار کر دیا۔ جیل میں دیگر لیڈروں کی طرح آپ کے ساتھ بھی غیر انسانی سلوک روا رکھا گیا۔ فوجی عدالت نے آپ کو عمر قید کی سزا دی۔ آپ دورانِ قید ملک کی تمام بڑی جیلوں میں رہے۔ آپ کے دو بھائیوں کو سرکاری ملازمتوں سے سبکدوش کر دیا گیا۔ ان میں ایک جج اور ایک فوج میں جنرل تھے۔

جمال عبدالناصر کے دورِ حکومت کا پورا عرصہ آپ جیل میں رہے۔ 1973ء میں انور السادات کے حکم پر جن اخوانیوں کو رہا کیا گیا' آپ بھی اُن میں شامل تھے۔ رہائی کے بعد حسن الہضیبی کی قیادت میں آپ دوبارہ سرگرم عمل ہو گئے۔ چنانچہ اخوانیوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ شیخ عمر تلمسانی کے تیرہ سالہ دورِ امارت میں آپ اُن کے قریبی ساتھی کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اُن کے انتقال کے بعد آپ الاخوان المسلمون کے مرشدِ عام منتخب ہوئے۔ اخوان کے مخالف حلقوں نے آپ کے انتخاب کو متنازع بنانے کی کوشش کی' لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

کویت کے ایک اسلامی جریدے نے مرشدِ عام منتخب ہونے کے بعد آپ کا انٹرویو شائع کیا۔ انٹرویو سے پہلے آپ کا تعارف کراتے ہوئے آپ کی امارت کے دور کے لیے فتح اور کامیابی کی پیش گوئی کی۔ جریدے نے لکھا:

> ''عام طور پر لوگوں کو خیال ہے کہ شہید حسن البناء نے الاخوان المسلمون کی بنیاد ڈالی اور اساس قائم کی۔ پھر شیخ الہضیبی دعوت کے کٹھن اور مشکل مرحلوں میں نہایت استقامت اور کامیابی کے ساتھ اِسے لے کر آگے بڑھے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذریعے فتنوں کے دروازے بند کر دیے۔ اُن کے بعد شیخ عمر تلمسانی اسے ایک سیدھے راستے پر لے کر آگے بڑھے اور اسے ساحلِ امن و سلامتی تک پہنچایا اور دنیا کے گوشے گوشے میں لوگ اِس عظیم تحریک سے آشنا ہو گئے اور اب نئے مرشدِ عام اُستاد حامد ابوالنصر کے انتخاب کے بعد عام طور سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے ذریعے سے اخوان کو نصر اور کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔''

کویت کے اِس جریدے نے آپ کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا' دنیا بھر میں نتائج اُس کے مطابق نکلے۔ 1987ء میں مصر میں عام انتخابات ہوئے۔ اخوان نے پابندی کے باوجود انتخابات میں محدود پیمانے پر حصہ لیا اور 41 نشستیں جیتیں اور سب سے بڑا اپوزیشن گروپ ترتیب دیا۔ نومبر 1990ء میں تین سال کے بعد حسنی مبارک نے دوبارہ پارلیمنٹ کے انتخابات کرائے۔ انتخابات سے پہلے انتخابی قوانین میں من مانے طریقے سے ترامیم کیں۔ اِن قوانین کے خلاف مرشدِ عام سید حامد ابوالنصر کی اپیل پر اخوان کے علاوہ دیگر سیاسی جماعتوں نے بھی انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔ نومبر 1992ء میں مصر کے بلدیاتی انتخابات میں اخوان ایک دفعہ پھر سب سے بڑی اپوزیشن پارٹی کی حیثیت سے ابھرے۔ اُردن میں اخوان 26 نشستوں پر کامیاب ہوئے۔

سید حامد ابوالنصر نے اپنے دور میں وہی حکمتِ عملی اختیار کی جس پر حسن البناء' شیخ عمر تلمسانی اور دوسرے قائدین گامزن تھے۔ اخوان کو بالخصوص انتخابات کی راہ پر لگانے میں سید حامد نے پوری توجہ دی۔ حال ہی میں اخوان کو انتخابات میں بڑی تعداد میں نشستیں حاصل ہوئی ہیں۔ یہ بھی سید حامد کی پالیسی کے ثمرات میں سے ہے۔

آئندہ شمارے میں

مصر میں احیائے اسلام کی تحریک کا دوسرا نام الاخوان المسلمون ہے' جس کا تذکرہ موجودہ قسط پر ختم ہوا۔ اب سوڈان' الجزائر یا لیبیا میں داخل ہونے کا سفر سر پر سوار ہے۔ قلمِ تحقیق کی کون سی راہ اختیار کرے گا' اس کے لیے ملاحظہ کیجیے آئندہ شمارہ۔ (س۔ق۔م)

✿ ✿ ✿

پریس ریلیز 20 · _2006

دین سے بے وفائی جاری رہی تو باجوڑ جیسے صدمات سے دوچار ہوتے رہیں گے

حافظ عاکف سعید

امت مسلمہ کی اکثریت نے آج قرآنی ہدایت کو پس پشت ڈال رکھا ہے' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سزا کے طور پر دنیا میں بھی رسوائی مقدر بنی ہوئی ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطابِ جمعہ کے اختتام پر کہی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستانی قوم نے بھی دین کو مقدم رکھنے کی بجائے دنیا کو ترجیح دے رکھی ہے' جس کا مظہر یہ کہنا ہے کہ سودی معیشت کے بغیر گزارا ممکن نہیں حالانکہ اللہ نے سود اختیار کرنے والوں کے خلاف اعلانِ جنگ کی وعید سنا رکھی ہے۔ اسی طرح اللہ فرماتا ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اور وہ تمہیں فحاشی کی راہ پر ڈالنا چاہتا ہے۔ لیکن یہاں امریکہ کی خوشنودی کے لیے عریانی اور فحاشی کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ آج ہمارا حال یہ ہے کہ پاکستان مکمل طور پر امریکہ کی چراگاہ بن چکا ہے۔ باجوڑ پر حالیہ امریکی حملہ دراصل ہمارے انہی جرائم کی سزا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس ذلت و رسوائی سے نکلنے کا راستہ یہ ہے کہ ہر فرد خود دین پر عمل پیرا ہو اور ملک میں دین نافذ کرنے کے لیے اپنی ذمہ داری ادا کرے۔ وگرنہ ہمیں باجوڑ جیسے مزید صدمات برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا چاہئے۔

(جاری کردہ: شعبہ نشر و اشاعت' تنظیم اسلامی)

یادوں کی تسبیح

مری صُراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

قاضی عبدالقادر

یہ وہ زمانہ تھا کہ جماعت اسلامی اور جمعیت طلبہ دونوں کے کارکنوں پر دین کی انقلابی دعوت کو عوام و خواص تک پہنچانے کا جذبہ ''بھوت'' کی طرح سوار تھا۔ کارکنوں کے پاس عموماً کپڑے کا ایک تھیلا ہوتا تھا جس میں مولانا مودودی کے پمفلٹ دین حق' سلامتی کا راستہ' بناؤ و بگاڑ' اسلام و جاہلیت وغیرہ رکھے ہوتے تھے۔ جہاں بھی جاتے تھے' یہ تھیلا ''شریف'' ساتھ رہتا تھا۔ شکار کی تلاش میں رہتے تھے۔ جہاں کسی کی بُو (خوش بو) پائی' بس اس پر ''پل'' پڑتے تھے اور پڑھنے کے لیے کتب دینا شروع کر دیتے تھے۔ حضرت مسیح ؑ کا یہ جملہ ہم نے اس زمانہ میں سنا تھا: ''مچھلیوں کو پکڑنے والو' آؤ میں تمہیں انسانوں کو پکڑنے والا بنا دوں''۔ پیدل چلتے ہوئے' بس میں بیٹھے ہوئے' دفتر میں' کاروبار کی جگہ لوگوں سے تعارف حاصل کر کے کچھ نہ کچھ پڑھنے کو ضرور دیتے تھے تاکہ دعوت کی توسیع ہو۔ ان کے پتے حاصل کر کے گھروں پر جا کر ملاقاتیں اور پھر تجدیدی ملاقاتیں کی جاتی تھیں اور جی چاہتا تھا کہ جو کچھ ہم نے پایا ہے انہیں بھی مل جائے۔ اجتماعات' جلسے وغیرہ اپنی جگہ لیکن یہ بنیادی کام خاموشی سے ہر جگہ ہو رہا تھا۔ جمعیت کے کارکن بھی اس میں پیچھے نہیں تھے۔ ان کی درس گاہوں میں ساتھیوں کو دعوت پہنچانے کا ایک وسیع میدان موجود تھا۔ اگر ہمیں ذرا بھی معلوم ہوتا کہ کہیں پر کوئی شخص ہماری دعوت سمجھنا یا کتب پڑھنا چاہتا ہے تو ہم سب کام کاج چھوڑ کر اس سے ملنے چلے جاتے۔ اسے اپنے ''ٹارگٹ'' پر لے لیتے اور وہاں اخوت و محبت کے دریا بہا دیتے۔

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی

میں اپنے محلہ اور کالج میں تو اس طرح کا کام کیا ہی کرتا تھا' اپنے دفتر یعنی منسٹری آف فوڈ (وزارت خوراک' حکومت پاکستان) میں بھی جال بچھا رکھا تھا۔ میری میز کی درازیں گویا جماعت کی کتب کی لائبریری تھی' جہاں سے میں وزارت کی مختلف برانچوں میں چل پھر کر اور لوگوں کو ''تاک'' کر کتب پڑھنے کو دیتا تھا۔ ان سے ملاقاتیں کرتا رہتا تھا۔ سرکاری دفتروں میں کام عموماً ہلکا ہوتا تھا' ایک برانچ میں اصل کام کرنے والے سب نہیں چند ہی افراد ہوتے تھے اور کام کا مزید بوجھ ان ہی پر پڑتا رہتا تھا۔ باقی لوگ مزے کرتے تھے۔ میں وہاں پر ٹائپسٹ کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ مجھ پر بھی کام کا بوجھ بہت تھا اور میں بہت پھرتی کے ساتھ اسے نمٹاتا تھا تاکہ دعوتی کام کے لیے وقت نکال سکوں۔ میں نے ٹائپنگ کی اسپیڈ اتنی بڑھا لی تھی کہ لوگ تعجب کرتے تھے۔ مینوئل ٹائپ رائٹر ہوتے تھے جن پر میری اسپیڈ 75 الفاظ فی منٹ تک چلی جاتی تھی۔ تھوڑا بہت کام کرنے کے بعد عموماً اسٹاف کے لوگ کینٹین کا رخ کرتے تھے کہ چائے پی کر آئیں۔ اس کے برخلاف ہم برانچوں کا رخ کرتے تھے اور لوگوں سے پڑھی ہوئی کتب واپس لے کر دوسری ایشو کر دیتے تھے۔ ہمارے پاس ایک تھیلے میں یہ کتب رکھی ہوتی تھیں۔ پھر تو یہ ہوا کہ لوگ کتب واپس کرنے اور نئی لینے کے لیے میری سیٹ پر آنے لگے۔ ایک دو کو بتایا جن میں ایک عزیزم برادرم قسیم احمد قریشی تھے' وہ بھی

وہ بزرگ جماعت کے رکن نہ تھے' بلکہ C.I.D کے ایک سینئر انسپکٹر تھے جو جماعت اسلامی کی سرگرمیوں' اس کے لیڈروں اور دیگر افراد کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کرنے پر مامور کیے گئے تھے

میرے کام میں ہاتھ بٹانے لگے۔ قسیم احمد قریشی صاحب اب بھی میرے بہت قریبی دوست ہیں اور تحریک کے ہمدرد ہیں۔ اپنے طور پر بہت کچھ کام کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں زیادہ سے زیادہ دین کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

ایک دن مجھے پیغام ملا کہ اسسٹنٹ سیکریٹری جناب زید احمد صاحب تمہیں بلاتے ہیں۔ سرکاری دفتروں میں کہا جاتا ہے کہ ''صاحب نے سلام بھیجا ہے''۔ میں ایک معمولی سا کلرک تھا اور اسسٹنٹ سیکریٹری میرے لیے بڑی چیز تھے۔ بہرحال میں ان کے کمرہ میں پہنچا اور سلام کیا۔ انہوں نے بیٹھنے کو فرمایا' میں سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ کہنے لگے کہ تمہارے سلسلہ میں میرے پاس ایک انکوائری آئی ہے کہ تم جماعت اسلامی کے ممبر ہو اور تم جانتے ہی ہو کہ جماعت اسلامی ایک سیاسی جماعت ہے۔ کوئی سرکاری ملازم اس کا ممبر نہیں بن سکتا۔ اب تم بتاؤ میں کیا لکھوں۔ سرکاری ملازمت یا جماعت کی ممبر شپ میں سے تمہیں ایک کا انتخاب کرنا ہوگا...... میں نے عرض کیا: سر میں جماعت کا ممبر قطعاً نہیں ہوں' میں یہ بات حلفاً کہتا ہوں۔ آپ لکھ سکتے ہیں۔ اگر کسی کے پاس کوئی ثبوت ہو تو وہ پیش کرے۔ مزید عرض کیا کہ ہاں میں اسلامی جمعیت طلبہ کا ممبر ضرور ہوں۔ میں طالب علم بھی ہوں' رات کو اردو کالج پڑھنے جاتا ہوں۔ آپ چاہیں تو اسے لکھ سکتے ہیں۔ فرمانے لگے: بات تو وہی ممبر شپ کی ہوئی۔ تم جماعت کے نہیں' جمعیت طلبہ کے تو ممبر ہو جس کا جماعت اسلامی سے تعلق ہے۔ میں نے کہا کہ اسلامی جمعیت طلبہ ایک آزاد اور خود مختار تنظیم ہے' جس کا جماعت اسلامی سے کوئی تنظیمی تعلق نہیں۔ ہمدردی کے ساتھ کہنے لگے کہ اسے کیوں لکھواتے ہو۔ بس اتنا کافی ہے کہ تم نے حلفیہ کہا ہے کہ تم جماعت اسلامی کے ممبر نہیں ہو۔ یہی میں تحریر کیے دیتا ہوں۔ میں نے کہا کہ سر 'جیسی آپ کی مرضی' بہرحال آپ کی ہمدردی کا بہت بہت شکریہ۔ یہ کہہ کر میں واپس اپنی سیٹ پر آ گیا۔

ایک بزرگوار ہوا کرتے تھے' عمر پچاس پچپن کے لگ بھگ ہوگی۔ جماعت اسلامی میں بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جوانوں کو ان کا کام دیکھ کر ان پر رشک آتا تھا۔ جلسۂ عام اگر ہو رہا ہے تو جوانوں کے ساتھ مل کر دریاں بچھا رہے ہیں' بعد میں لپیٹ بھی رہے ہیں خوب بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔ راتوں کو پوسٹر لگا رہے ہیں۔ جماعت اسلامی کی رکنیت کا فارم بھی بھر کر انہوں نے دیا ہوا تھا۔ میں بھی ان سے بہت متاثر تھا۔ محلہ بی ہائنڈ جیکب لائن کے ایک جھگی نما مکان میں رہائش تھی۔ ایک روز بس میں مجھے مل گئے۔ مجھ سے تفصیلی تعارف حاصل کیا۔ کیا کام کر رہے ہو' کہاں کر رہے ہو؟ میں نے اپنی سرکاری ملازمت وغیرہ کا بھی انہیں تفصیل سے بتا دیا۔ پھر کچھ ایسا ہوا کہ ان کی رہائش گاہ کے قریب رہنے والے جماعت اسلامی کے کارکنوں کو ان کے بارے میں کچھ شبہ پیدا ہوا۔ بس وہ ان کی ''ٹوہ'' میں لگ گئے۔ کہاں کہاں وہ جاتے ہیں' کیا کیا کرتے ہیں' ان کے پیچھے لگے رہے۔ بعد میں انکشاف ہوا کہ وہ بزرگوار CID کے ایک سینئر انسپکٹر تھے اور جماعت اسلامی کی سرگرمیوں اور اس کے لیڈروں اور دیگر افراد کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کرنے پر مامور کئے گئے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سوسائٹی میں باقاعدہ ان کی ایک کوٹھی ہے' جو کرایہ پر دی ہوئی ہے جبکہ وہ ''تماشائے اہل کرم'' دیکھنے کے لیے ''غریبوں کا بھیس'' بدل کر ایک جھگی نما مکان میں رہائش پذیر تھے۔ مجھے یاد آیا کہ ان حضرت نے بس میں سفر کرتے ہوئے جو میرا مکمل تعارف حاصل کیا تھا اور انہیں میری سرکاری ملازمت کا جو معلوم ہوا تھا' اس لیے ہو نہ ہو ہماری منسٹری میں میرے متعلق جو انکوائری آئی تھی وہ ان ہی حضرت کا کارنامہ تھی۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

اس کے بعد ہمارے وہ ''کرم فرما'' کبھی نظر نہیں آئے اور نہ ہی ہمارا پھر کبھی آمنا سامنا ہوا۔

راستے ہی سے پلٹ آئے تھے ہم
ہو گیا تھا سامنا ابلیس سے

کچھ عرصہ کے بعد ہمارے اسسٹنٹ سیکریٹری صاحب جناب زیڈ احمد کا ریٹائرمنٹ ہوگیا۔ ان کے لیے ہم لوگوں نے ایک الوداعی (Farewell) پارٹی کا اہتمام کیا۔ میں اس موقع پر انہیں کوئی تحفہ دینا چاہتا تھا' لیکن پیسے پاس نہیں تھے۔ ہماری غربت کی لہر جاری تھی۔ گھر پر ایک کتاب ''پردہ'' پڑی ہوئی تھی' جو ان تین میں سے ایک تھی جو میں نے پروفیسر جلیل الدین احمد خان صاحب کی ''پردہ'' پر لیکچرز کی سیریز کے دوران کلاس کے ساتھیوں کو پڑھانے کے لیے خریدی تھیں...... میں نے سوچا یہ کتاب زیڈ احمد صاحب کو ہدیہ کردوں۔ چنانچہ میں نے اس پر ان کے نام ہدیہ تحریر کر کے نیچے اپنا نام اور دستخط کر دیے۔ الوداعی پارٹی کے موقع پر اسٹاف کے دیگر لوگوں نے بھی مختلف تحفے تحائف دیے۔ میں نے وہ کتاب دی۔ لے کر بہت خوش ہوئے...... یہ اس سے کوئی دس بارہ سال بعد کی بات ہے کہ مولانا مودودی کراچی تشریف لائے ہوئے تھے اور سوسائٹی کے ایک بنگلہ میں ٹھہرے تھے۔ میں وہاں پر گیا تو دیکھا کہ زیڈ احمد صاحب بھی وہاں موجود ہیں۔ بڑے تپاک سے ملے' گلے لگایا۔ ڈھیروں دعائیں دیں۔ میرا نام انہیں اب تک یاد تھا۔ مجھ سے فرمایا کہ تم نے میری ریٹائرمنٹ کے موقع پر جو کتاب مجھے ہدیہ کی تھی وہ آج بھی میرے پاس موجود ہے' میں نے اسے پورا پڑھا تھا۔ تم نے یہ کتاب دے کر مجھے مولانا مودودی کا عاشق بنا دیا۔ اب جب بھی شیلف میں میں اس کتاب کو دیکھتا ہوں تو تم یاد آ جاتے ہو اور تمہارے لیے دل سے بہت دعائیں نکلتی ہیں...... قارئین کرام' دیکھا آپ نے! عام تحفے تحائف تو ایسے ہوتے ہیں کہ ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں' گل سڑ جاتے ہیں۔ لیکن کتاب ایسا تحفہ ہے جو عموماً قائم و دائم رہتا ہے۔ اگر تحریکی و دینی کتاب ہو تو زندگی کی نئی شاہراہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے' باطل کے اندھیروں سے حق کے اجالے کی طرف لاتی ہے اور ہدیہ کرنے والے کے لیے بھی ایک صدقہ جاریہ بن جاتی ہے۔ اس لیے ایسے موقع پر سب سے اچھا ہدیہ ایک کتاب ہے!

گو وہ میرے لیے ''غربت'' کا زمانہ تھا پھر بھی اپنی ضروریات میں کمی کر کے پیسے بچا بچا کر میں اپنے رفقاء کو کتب ہدیہ کیا کرتا تھا' اس لیے کہ ایک حدیث کے مطابق ہدیہ دینے سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ مجھے اس زمانہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے رسالے ''الہلال'' کے مضامین پر مشتمل کتاب ''انسانیت: موت کے دروازے پر'' بہت پسند تھی اور اسے میں اپنے ساتھیوں کو ہدیہ میں دیتا تھا' کیونکہ یہ بھی حدیث ہے کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہ پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ اس لیے اپنی ''پسند'' کو تقسیم کرتا رہتا تھا۔ (جاری ہے)

❁ ❁ ❁

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظامِ خلافت کا قیام

پکار

اصل خوشی تو خوشیاں بانٹنے میں ہے!

تحریر: فرید اللہ مروت

اس روئے زمین پر اللہ نے بے شمار مخلوقات پیدا کی ہیں۔ لیکن کوئی مخلوق انسان کی برابری نہیں کر سکتی' اس لیے کہ خدا نے انسان کو انمول خوبیاں عطا کی ہیں کہ جو کسی اور مخلوق میں نہیں۔ انہی لاثانی خوبیوں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اُس کے سر پر اشرف المخلوقات کا تاج سجایا اور دوسری تمام مخلوقات کو اس کا طابع فرمان بنایا' اس کو مسجودِ ملائک کا شرف بخشا اور ساتوں زمین و آسمان سے قیمتی بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر اور بھی کئی خوبیاں رکھی ہیں۔ وہ تکلیف' پریشانی' مصیبت اور دکھ کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسے نہ صرف برداشت کرنے بلکہ تکلیف گزرنے کے بعد اس کے صدمے کو ضبط کرنے کا کمال بھی حاصل ہے۔

انسان کئی قسم کی تکالیف برداشت کر سکتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم معاشرے میں دوسرے انسانوں کو تکلیف اور دکھ پہنچانے کو اپنی زندگی کا معمول بنالیں۔ غلطی سے یا بے بسی کی حالت میں اگر انسان کو ہماری وجہ سے کوئی صدمہ یا تکلیف پہنچے تو اور بات ہے لیکن ہم لوگ تو جان بوجھ کر دوسرے کو تکلیف دیتے ہیں۔ اور پھر اس پر بہت زیادہ خوش بھی ہوتے ہیں۔ ہم دوسرے کی خوشیاں چھین لیتے ہیں۔ لیکن پھر بھی دل کی خوشی حاصل نہیں کر پاتے۔ اپنے چہروں سے تو ہم اس حد تک خلوص اور محبت ٹپکاتے ہیں اور مصنوعی مسکراہٹ اس حد تک بکھیر دیتے ہیں کہ دنیا والے اس بات کے قائل ہو جاتے ہیں کہ ہم واقعی ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کے ہمدرد ہیں' جبکہ ہماری نظریں دوسری طرف ان سے' ان کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں چھیننے پر لگی ہوتی ہیں۔ ہزار ہا آسائشوں کے باوجود ہماری زندگی میں خوشی اور سکون کی کمی اسی باعث ہے کہ ہم صرف اپنے ہی مفاد پر نظر جمائے ہوئے ہیں اور دنیا کے حقیر نفع کی خاطر دوسرے انسانوں کو دُکھ دیتے ہیں۔

ہر شخص اپنے اور اپنے بچوں کے لیے نئے نئے سوٹ اور بوٹ خرید رہا ہے۔ ان چیزوں سے ہمارے بچے خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ لیکن آپ نے کبھی ان بچوں کے متعلق بھی سوچا ہے جن کے والد یا سرپرست ان سے دور کسی جگہ کچھ کمانے کی فکر میں سرگرداں ہیں اور ان کے بچے آس لگائے بیٹھے ہیں کہ ان کے والد کسی دن ان کے لیے ضرور کچھ نہ کچھ بھیجیں گے۔ ہمارے معاشرے میں ایسے لوگوں کی کثرت ہے جن کا جرم ان کی غربت ہے۔ یہی غربت سال کے مبارک دنوں کے موقع پر ایک ماں کو اپنے جگر گوشے سے' ایک بھائی کو اپنے بھائی سے اور ایک عورت کو اپنے خاوند سے دور رکھتی ہے۔ آج کل ہمارے معاشرے میں شہرِ ناپرسان کی طرح' کوئی کسی کو نہیں پوچھتا' کوئی یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتا کہ ہمارے پڑوس میں کیا ہو رہا ہے۔

ہمارا دین تو ہمدردی کا دین ہے' انسانی فلاح کا پروگرام ہے' دوسروں سے پیار و محبت کی تعلیم ہے۔ غریبوں کمزوروں کے ساتھ تعاون کی دعوت ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے پڑوس کے بارے میں فکر کرنی چاہیے اور ان کو اپنی خوشیوں میں شریک کرنا چاہیے' ہم خود کہتے ہیں کہ زندگی کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی خاطر زندہ رہا جائے۔ اگر ہم ذرا سا اس حقیقت پر غور کریں تو شاید ہماری زندگی میں بھی خوشی' محبت اور خلوص کی ہوا چل پڑے اور سب مل جل کر اس سے اچھی طرح لطف اندوز ہو سکیں۔ سچ ہے کہ حقیقی خوشی دوسروں کو خوشیاں بانٹنے میں ہے۔

دعائے صحت کی اپیل

رفیق تنظیم اسلامی گلستان جوہر سید امین الدین صاحب کی والدہ صاحبہ عارضہ قلب میں مبتلا ہیں۔ وہ دار الصحت ہسپتال گلستان جوہر میں زیر علاج ہیں۔ رفقاء سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

❁❁ ضرورت رشتہ ❁❁

☆ کراچی کی رہائشی' اردو اسپیکنگ' 21 سال' رفیقہ تنظیم اسلامی' طالبہ B-Pharmacy آخری سال کے لیے دینی و تحریکی مزاج کے حامل نوجوان کا رشتہ مطلوب ہے
رابطہ: سلیم احمد' 021-6970714

☆ دینی گھرانے کی 40 سالہ کنواری خاتون' تعلیم ایم اے اکنامکس' پرائیویٹ سکول میں ٹیچر کے لیے دینی مزاج کا حامل موزوں رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔
رابطہ: نعیم صاحب' فون: 042-5000607

دعائے مغفرت

☆ رفیق تنظیم اسلامی جناب شاہد حفیظ چوہدری کی خوش دامن صاحبہ وفات پا گئی ہیں۔

☆ قاضی عبد القادر کے سمدھی یعنی اُن کے بیٹے اُسامہ عبد القادر کے خسر مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب مہتمم جامعہ فاطمہ زہراء ماموں کانجن (ضلع فیصل آباد) کا جمعہ 19 ذی الحجہ 1425ء بمطابق 20 جنوری 2006ء کو انتقال ہو گیا ہے۔

قارئین ندائے خلافت اور رفقاء و احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

بریگیڈیئر (ر) حامد سعید اختر

گزشتہ ستمبر میں صدر پرویز مشرف امریکہ کے دورے پر گئے تو نیو یارک میں خواتین کے کنونشن کی تقریب میں پاکستانی سکالر ڈاکٹر رفعت حسن نے اپنا مقالہ پڑھا۔ ڈاکٹر رفعت کا تعلق لاہور سے ہے اور وہ گزشتہ چونتیس سال سے امریکہ میں مقیم اور بیس سال سے لوئی دل یونیورسٹی میں مذہبی علوم (Theology) کی پروفیسر ہیں۔ موصوفہ نے اپنے مقالے میں بہت سی متنازعہ باتیں کیں اور بزعم خویش قرآن کی مرد کی فضیلت والی (Patriarchal) تفسیر کے بجائے حقیقی تفسیر بیان کی۔ محترمہ کی یہ تفسیر اسلام میں عورت کے مقام اور حقوق کے حوالے سے تھی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے قرآن کا بہت باریک بینی سے مطالعہ کیا ہے لیکن کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آدمؑ کو پہلے پیدا کیا گیا تھا یا آدمؑ مرد تھے۔ لہٰذا مرد کو کسی لحاظ سے عورت پر فضیلت یا برتری حاصل نہیں' گویا موصوفہ کے نزدیک مرد کی تخلیق میں تقدیم ہی اس کی فضیلت کا ثبوت ہو سکتی ہے۔ موصوفہ یہ دور کی کوڑی لائیں کہ لفظ آدم عبرانی زبان سے مستعار لیا گیا ہے اور آدم سے مراد زمین ہے یعنی قرآن مجید میں جہاں آدمؑ کی تخلیق کا ذکر ہے وہ محترمہ کے خیال میں ایک مرد پیغمبر کا ذکر نہیں بلکہ زمین یا کسی غیر متعین جنس کی کسی مخلوق ارضی کی تخلیق کا ذکر ہے۔ راقم الحروف کو گمان تھا کہ ایسی گمراہ کن اور مبنی بر جہالت تشریح پر علماء اور مفسرین اپنی رائے کا اظہار کریں گے لیکن غالباً علماء نے جواب جاہلاں خاموشی دارد پر عمل کیا ہے۔

محترمہ کا دعویٰ ہے کہ مرد کی فضیلت کا تصور غیر اسلامی ہے۔ آدم و حوا اکٹھے تخلیق کیے گئے تھے اور یہ تصور غلط ہے کہ اماں حوا کو آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا تھا۔ مزید آگے بڑھنے سے بیشتر چند بنیادی امور کی وضاحت ضروری ہے۔ مثلاً بحیثیت مسلمان ہمارا عقیدہ ہے کہ اپنے اعمال اور افعال کے لحاظ سے اللہ کے نزدیک مرد اور عورت برابر ہیں تمام مرد اور عورتیں اللہ کو اپنے اعمال کے لیے انفرادی طور پر جواب دہ ہیں اور صرف جنس کی بنیاد پر نہ تو مرد بخشے جائیں گے اور نہ ہی عورتوں کا اجر کم کیا جائے گا۔ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام نے عورتوں کو جو حقوق عطا کیے ہیں وہ دنیا کے کسی مذہب نے نہیں دیئے۔ بحیثیت ماں عورت کو جو فضیلت ہے مرد کو اس کا چوتھائی حصہ بھی نصیب نہیں۔ کمانے کی بنیادی ذمہ داری مرد کی ہے اور تربیت و پرورش کی ذمہ داری عورت کی ہے' اگرچہ مرد بھی ان ذمہ داریوں سے بری نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حقوق اور فرائض کے ضمن میں ایک بہترین توازن پیدا کر رکھا ہے مسئلہ وہاں پیدا ہوتا ہے جب ہم اللہ تعالیٰ کی متعین حدود سے باہر نکل کر انسانوں کے خود ساختہ قوانین کے تحت اپنے لیے کچھ مزید آزادی عمل حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کوشش میں ہنس کی چال چلتے ہوئے اپنی چال بھی بھول جاتے ہیں۔ جب کوئی سائنسدان یا موجد اپنی مشین یا ایجاد مارکیٹ میں لاتا ہے تو ساتھ ضروری ہدایات کا کتابچہ بھی خریدار کے حوالے کرتا ہے جس میں متذکرہ مشین کی خصوصیات تفصیلاً درج ہوتی ہیں' مثلاً محفوظ حد رفتار' احتیاطی تدابیر' خطرے کی حدود وغیرہ۔ خالق حقیقی نے بھی انسانوں کی خصوصیات' طبعی صلاحیتوں اور کمزوریوں پر مشتمل ہدایات اپنے پیغمبروں کے ذریعے الہامی کتب کی صورت میں بیان کر رکھی ہیں۔ خالق سے بڑھ کر کون بہتر جانتا ہے کہ اس کی تخلیق کردہ مشین کو استعمال کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہے اور کون سی احتیاطی تدابیر ضروری ہیں؟

خاندانی نظام میں بہت سی ذمہ داریوں کے ساتھ مرد کو خاندان کا سربراہ بھی بنایا گیا ہے اور فیصلے کرنے کا اختیار اسے ہی دیا گیا ہے۔ بدقسمتی سے اب مخلوق نے یہ سمجھنا شروع کر دیا ہے کہ وہ خالق سے نعوذ باللہ بہتر فہم کی مالک ہے' لہٰذا ذمہ داریوں کا ازسرنو غیر فطری تعین شروع ہو گیا ہے۔ مغرب کے چالاک مرد نے نہ صرف اپنی بہت ساری ذمہ داریاں عورت کو منتقل کر دی ہیں بلکہ وہ ہر لحاظ سے عورت کا استحصال کر رہا ہے۔ تاہم اس نے عورت کو مادر پدر آزادی دے کر مطمئن کر رکھا ہے۔ بقول اکبر الٰہ آبادی۔

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمے پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

محترمہ کا سارا زور بیان ایک مفروضے کو ثابت کرنے پر ہے کہ آدم مرد کا نام نہیں تھا اور نہ ہی آدم بی بی حوا سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق انسان نامی ارضی مخلوق کا جوڑا اکٹھے پیدا کیا گیا لہٰذا مرد کو عورت پر کوئی فضیلت نہیں بلکہ دونوں ہر لحاظ سے برابر ہیں۔ برابری کا یہ دعویٰ بیشتر...... خواتین کا...... ہے اور وہ قانونِ فطرت سے بغاوت کر کے خاندان کے ادارے کو تباہ کر ڈالتی ہے۔ موصوفہ الہیات' دینیات یا مذہبی علوم کی ماہر سمجھی جاتی ہیں لیکن ان کی تقریر سے ایک چیز واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے دعوے کے برعکس قرآن مجید کا ترجمہ تک بھی نہیں پڑھا۔ محترمہ نہ صرف عربی زبان سے ناواقف ہیں بلکہ انہیں عربی گرامر کی معمولی شدبد بھی نہیں۔ علاوہ دیگر خوبیوں کے عربی زبان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں مذکر اور مونث کی مکمل شناخت ہو جاتی ہے مثلاً ''تم'' کہنے کے لیے مخاطب مرد ہو تو ''اَنْتَ'' کہا جاتا ہے لیکن مخاطب مونث ہو تو ''اَنْتِ'' کہا جاتا ہے اب سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 35 ملاحظہ ہو:

﴿وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾

''ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو''۔

اگر آدم مرد نہ ہوتے تو اَنْتَ کے بجائے ''اَنْتِ'' ''اُسْكُنْ'' کے بجائے ''اُسْكُنِيْ'' اور زوجک کے بجائے ''زوجکِ'' سے مخاطب کیا جاتا یہاں نہ صرف مخاطب یعنی حضرت آدمؑ کی جنس کا تعین ہو جاتا ہے۔ لہٰذا محترمہ رفعت حسن کا پہلا مفروضہ محض عربی گرامر کی رو سے ہی غلط قرار پاتا ہے۔ حضرت آدمؑ کے سلسلے میں تمام آیات میں مذکر کا صیغہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت آدمؑ مرد ہی تھے۔ محترمہ کا دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ قرآن میں کہیں مذکور نہیں کہ بی بی حوا کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ ان کا فرمانا ہے کہ اس طرح عورت کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے اور مرد کی فضیلت کا تصور واضح ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں سورۃ النساء کی آیت نمبر 1 ملاحظہ ہو۔

(ترجمہ) ''اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (پہلے) اس سے اس کا جوڑ بنایا۔ پھر ان دونوں سے بکثرت مرد و زن پیدا کر کے پھیلا دیئے''۔

مندرجہ بالا آیات سے قطعی طور پر واضح ہے کہ حضرت آدمؑ ہی سے ان کا جوڑا بصورت بی بی حوا پیدا کیا گیا اب اگر اس سے آدمؑ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے تو ہم حقائق کو بدل تو نہیں سکتے قرآن میں بہرحال یونہی تحریر ہے۔ جہاں تک معاملہ ہے کاروبار دنیا چلانے کے لیے حیثیت کے تعین کا' اس سلسلہ میں سورۃ النساء ہی کی آیت نمبر 34 کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

''مرد عورتوں پر قوام ہیں' اس لیے کہ خدا نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں''۔

عربی لغت کے مطابق قوام سے مراد ہے انچارج' منتظم' حاکم' غالب' افسر اعلیٰ' کارداں سربراہ۔ عورت اور مرد کی بنیادی کیمسٹری ایک جیسی لیکن جنسی کیمسٹری بالکل مختلف ہے۔ اللہ کے نزدیک ذمہ داریوں کا تعین بھی اسی کے مطابق ہے' ہمیں خود کو قرآن کے سانچے میں ڈھال لینا چاہئے نہ کہ قرآن کو اپنی خواہشات کے مطابق بدلنے کی کوشش کریں۔

تفہیم المسائل

☆ بیوی بچوں کو اشیائے ضروریہ بہم پہنچائے بغیر تبلیغی دورہ پر جانا کیسا ہے؟

☆ کیا ذکر سے مراد وہ ذکر ہے جو صوفیا' اللہ ھو کی صورت میں کرتے ہیں؟

☆ ہم دعا کیسے کریں' جس چیز کی بھی ضرورت ہو اللہ سے مانگیں یا......؟

قارئین ندائے خلافت کے سوالات کے قرآن و سنت کی روشنی میں جوابات

س: اسلام میں ذکر کی کیا اہمیت ہے؟ کیا اِس سے مراد وہ ذکر ہے جو صوفیاء اللہ ھو کی شکل میں آنکھیں بند کر کے اور ضربیں لگا کر کرتے ہیں؟

ج: سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ذکر اور شے ہے اور ذریعہ ذکر اور شے ہے۔ ذکر کی عربی میں تعریف ہے: "استحضار الله فی القلب" یعنی دل میں اللہ کے حاضر ہونے کا احساس۔ اس کے طریقے کیا ہیں؟ سب سے بڑا ذکر قرآن ہے' جسے الذکر کہا گیا ہے۔ ترتیل کے ساتھ معانی کو سمجھتے ہوئے تلاوت قرآن' ذکر کا موثر' عمدہ اور سب سے ... وارفع طریقہ ہے۔

ذکر کا ایک جامع طریقہ نماز ہے۔ فرمایا: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ﴾ "نماز قائم کرو میری یاد کے لیے"۔ نماز میں انسان زبان سے بھی ذکر کرتا ہے اور اپنے جسم کی حرکات سے بھی اس کا اظہار کرتا ہے۔ مثلاً اللہ اکبر کہا' اور گردن جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ گویا اللہ کی کبریائی کا اپنی شخصیت پر اثر ظاہر کیا۔ پھر اللہ اکبر کہا اور رکوع میں چلا گیا۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہا اور سجدہ میں گیا۔ اس میں ذکر باللسان سے بھی ہو رہا ہے اور ذکر بالجوارح بھی۔

ذکر کا تیسرا ذریعہ اذکار مسنونہ ہیں۔ وہ اذکار جو حضورﷺ نے خود کیے' یا ان کی تلقین کی' مثلاً آپؐ نے فرمایا' ہر نماز کے بعد 33 مرتبہ سبحان اللہ' 33 مرتبہ الحمدللہ' اور 33 یا 34 مرتبہ اللہ اکبر کہو۔ یہ ذکر ہے۔ اسے تسبیح فاطمہؓ کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت حضورﷺ سے ہے۔ لہٰذا اس کی اپنی جگہ پر ایک مستند حیثیت قائم ہے۔ اِسی طرح نماز کے بعد آپؐ کہتے تھے: ((اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ یَا ذَاالْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ))۔ آپؐ نماز کے بعد یہ بھی فرماتے تھے: ((اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَ شُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))۔ یہ بھی مسنون ذکر ہے۔

چوتھے درجے میں ذکر مسنون دعائیں ہیں۔ مثلاً صبح اُٹھنے کی دُعا' سونے کی دُعا' کھانا کھانے اور کھانے کے بعد کی دُعا' آئینہ دیکھنے کی دُعا اور مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعا وغیرہ۔ الغرض زندگی کے ہر عمل کے ساتھ دعا ہے۔ یہ دُعائیں بھی ذکر کا اہم ذریعہ ہیں۔

ذکر کی پانچویں قسم وہ ہے جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے۔ یہ ذکر ایسے ہے جیسے کوئی معالج ہو۔ جب اس کے پاس کوئی مریض جائے گا' تو معالج سب سے پہلے اُس کا معائنہ کرے گا' پھر دوا لکھ کر دے گا کہ فلاں دوا فلاں وقت استعمال کرو۔ اسی طرح صوفیاء روحانی معالج ہیں۔ ان کے پاس لوگ جاتے ہیں تو وہ دیکھتے ہیں کہ کسی شخص میں مال کی محبت زیادہ ہے' کسی میں اولاد کی محبت بہت بڑھ گئی ہے۔ کوئی جذبہ سے شہوت سے مغلوب ہے' وغیرہ وغیرہ۔ اب اس کی مناسبت سے وہ تجویز کرتے ہیں اور تلقین کرتے ہیں کہ یہ الفاظ پڑھ لیا کرو یا یہ مراقبہ کیا کرو۔ صوفیاء کے یہ نسخے عام اذکار تھے' لیکن بعد میں یہی اس سلسلہ تصوف کے مستقل اذکار بن گئے۔ اور کہا جانے لگا کہ یہ سلسلہ نقشبندیہ کا ذکر ہے' یہ سلسلہ چشتیہ کا ذکر ہے' یہ سلسلہ سہروردیہ کا ذکر ہے' یہ سلسلہ قادریہ کا ذکر ہے۔ یہ ذکر بالجہر ہو رہا ہے۔ اذکار کے یہ طریقے حضورﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔

س: ہم دعا کیسے کریں' آیا جس چیز کی بھی ضرورت ہو وہ اللہ تعالیٰ سے مانگیں یا یہ دعا کریں کہ اے اللہ جو ہمارے لیے تو بہتر سمجھتا ہے وہ ہمیں عطا کر دے۔

ج: اگرچہ یہ بھی جائز ہے کہ جو چیز بھی آپ کو مطلوب ہے وہ اللہ سے مانگیں' لیکن افضل یہی ہے کہ انسان یہ دُعا مانگے کہ اے اللہ! میں چاہتا ہوں مجھے کہ فلاں چیز مل جائے۔ اگر تیرے علم میں وہ شے میرے لیے بہتر ہے تو اس کا حصول میرے لیے آسان بنا دے' اور مجھے عطا کر دے۔ اور اگر تیرے علم میں یہ چیز میرے لیے دنیا اور آخرت کے اعتبار سے مضر ہے' تو اسے مجھ سے دور کر دے۔ یہ دعا کا بلند مقام ہے۔ دعائے استخارہ جس کے بارے میں صحابہؓ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے ہمیں اس طریقے سے سکھائی تھی' جیسے قرآن سکھایا' اس میں بھی ایسے ہی الفاظ آئے ہیں: اے اللہ تیرے علم میں تیری حکمت میں جو میرے لیے بہتر ہے اس کا فیصلہ فرما دے' اور اس پر میرے دل کو کھول دے۔ اور میرے دل کو اس پر جما دے۔ یہ دعا کا بہترین اسلوب ہے۔

س: میرا بھائی اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر ایک سال کے لیے تبلیغی دورے پر گیا ہوا ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ اِس دوران گھر والوں کو جتنی مشکلات سہنا پڑیں گی' اتنا ہی ان کو زیادہ ثواب ہو گا۔ اس صورتحال سے ہم لوگ بہت پریشان ہیں۔ کیا اُن کا یہ طرزِ عمل جائز ہے؟

ج: اسلام کا ایک اہم رکن حج ہے۔ اُس پر جاتے وقت بھی اپنے پسماندگان کے لیے اشیائے ضروریہ چھوڑ کر جانا ضروری ہے' بلکہ حج فرض ہی اس وقت ہوتا ہے جب آپ کے پاس اپنے سفر کا سارا سامان اور خرچ ہو' اور جتنے عرصے آپ کو باہر رہنا ہے' مہینہ' ڈیڑھ مہینہ' آپ اتنے عرصہ کا خرچ گھر والوں کو فراہم کریں' تاکہ وہ پیچھے پریشان نہ ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو حج فرض نہیں ہے۔ یہی معاملہ اس تبلیغی سفر کا بھی ہے۔ اگر کوئی اِس سفر پر روانہ ہوتا ہے تو یقیناً وہ نیکی کمائے گا۔ اُس کا اِس کو ثواب ملے گا۔ لیکن یہ طرزِ عمل درست نہیں کہ بال بچوں کو اخراجات مہیا کیے بغیر یونہی چھوڑ دیا جائے (واللہ اعلم)! ہاں اگر اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد اس مرحلے میں آجائے جبکہ فائنل Confrontation ہو' جنگ ہو رہی ہو تو اس موقع پر گھر والوں کو بے یار و مددگار چھوڑ جانے کی بھی اجازت ہو گی۔

س: قرآن مجید کی سب سے اچھی تفسیر کون سی ہے جو کہ ہماری زندگیوں کو صراط مستقیم پر گامزن کر دے۔

ج: قرآن مجید کی کوئی بھی تفسیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن ایک ہی ہے لیکن ہر مفسر کا ایک مخصوص نقطۂ نظر ہوتا ہے۔ جو چیز اس کے نقطۂ نگاہ سے اہم تر ہوتی ہے' وہ اس پر توجہ دیتا ہے۔ اور جو چیز اس نقطۂ نظر سے اہم تر نہیں ہوتی' اس پر سے سرسری طور پر گزر جاتا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہر آدمی خود دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرے' دین کا علم حاصل کرے۔ تعلیم یافتہ افراد عربی سیکھیں اور خود قرآن کو سمجھنے کے لیے وقت لگائیں۔ تاہم آج کے دور میں عام اُردو خواں لوگوں کو کم از کم تین تفسیریں کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ اِس سلسلے میں ایک تفسیر مولانا مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن' جس میں ایک انقلابی رنگ ہے۔ دوسرے مولانا فراہی کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی تفسیر تدبر قرآن ہے۔ اگرچہ اس میں انہوں بہت سی ٹھوکریں کھائی ہیں' تاہم بحیثیت مجموعی وہ تفسیر بڑی وقیع ہے۔ تیسرے ہمارے ثقہ علماء جو کہ سلف کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں' ان میں علامہ ابن کثیر کی تفسیر ابن کثیر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کے حواشی یا پھر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب یا مولانا اشرف علی تھانوی میں سے کسی ایک تفسیر کو اپنے سامنے رکھیں۔ اگر ان تین قسم کی تفسیروں کا مطالعہ کیا جائے تو قرآن مجید کا ایک بھرپور View سامنے آجائے گا۔ (واللہ اعلم)

کالم "تفہیم المسائل" میں سوالات بذریعہ ڈاک یا ای میل ایڈریس media@tanzeem.org پر بھیجے جاسکتے ہیں۔

حلقہ سندھ زیریں کے تحت توبہ کی منادی کا پروگرام

ماہ اکتوبر کے زلزلہ کے نتیجے میں لاکھوں افراد جاں بحق ہوئے۔ قوم میں متاثرین زلزلہ کے بارے میں ہمدردی پیدا ہوئی اور پوری قوم یکجہتی کے ساتھ امدادی کاروائیوں میں لگ گئی۔ لیکن افسوس کہ قوم کے شب و روز میں بالعموم کوئی خاطر خواہ تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ یہ مسئلہ حلقہ سندھ زیریں کی مجلس عاملہ کے پچھلے اجلاس میں زیر غور آیا اور طے کیا گیا کہ حلقہ کی سطح پر توبہ کی منادی کرائی جائے۔ اس سلسلے میں 32000 ہینڈ بلز اور ایک بینر تیار کیا گیا جس میں یہ عبارت درج تھی: "8 اکتوبر کے زلزلے کی تباہ کاریاں' مسلسل جھٹکے اور اب 13 دسمبر کا زلزلہ۔" کیا اہل ایمان کے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں" (سورۃ الحدید)۔ "وقت کا تقاضا: سچی توبہ' تنظیم اسلامی"۔ اس کے علاوہ تقریباً ایک ہزار اسٹیکرز بھی چھپوائے گئے۔ یونیورسٹی روڈ پر دفتر حلقہ کے سامنے دونوں جانب بینرز آویزاں کیے گئے۔ عبارت یوں تھی: "کیا بستی والے اب اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک ان پر رات کے وقت آ جائے جب کہ وہ سوئے پڑے ہوں یا دن کے وقت جبکہ وہ کھیل رہے ہوں۔ (سورۃ الاعراف)

18 دسمبر 2005ء کو کورنگی تنظیم کے زیر اہتمام تین ٹیمیں بعد نماز عصر روانہ ہوئیں۔ ان میں سے دو ٹیمیں گاڑیوں پر جن میں ساؤنڈ سسٹم نصب کیا گیا تھا جبکہ ایک ٹیم میگافون کے ساتھ پیدل روانہ ہوئی۔ ان تینوں ٹیموں نے مجموعی طور پر سات مقامات پر کارنر میٹنگز کیں اور عوام میں تین ہزار ہینڈ بلز تقسیم کیے۔ ان میٹنگز میں مقررین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سورۃ الشوریٰ میں ہے کہ "اور جو مصیبت تم پر آتی ہے تو وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب سے آتی ہے" شائد اللہ تعالیٰ کی طرف سے پاکستانی قوم کو جگانے کے لیے یہ ایک وارننگ ہو۔ کیونکہ آج 58 سال گزر جانے کے باوجود ہم نے اس ملک میں اللہ کے دین کے نفاذ کے لیے کچھ نہیں کیا۔ سود کا لین دین انفرادی اور قومی سطح پر کیے جا رہے ہیں اور آج ہم اپنے گھر' محلے دار پورے معاشرے میں بے حیائی کو ٹی وی اور کیبلز کے ذریعے پھیلا رہے ہیں۔ سورۃ السجدہ کی آیت نمبر 21 میں بیان فرمایا گیا کہ "اور ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کا مزاہ چکھاتے ہیں تا کہ وہ ہماری (اللہ) کی طرف رجوع کریں۔" اس لیے ہم سب کو چاہیے کہ ہم انفرادی طور پر اور اجتماعی سطح پر بھی اللہ کی جناب میں سچی توبہ کریں۔ (رپورٹ: رفیق تنظیم)

تنظیم اسلامی شاہ جنجو کی ماہانہ شب بیداری

اسرہ شاہ جنجو و دولیکھو خان گکھسی کا مشترکہ شب بیداری پروگرام ہوا۔ پروگرام کا آغاز بعد نماز مغرب مقامی امیر کے درس "مطالبات دین" سے ہوا۔ نماز عشاء اور کھانے کے بعد شفاعت باطلہ کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ قرآن اور حدیث کی روشنی میں دلائل دیئے گئے۔ بعد میں رفقاء کو آرام کا ٹائم دیا گیا۔ صبح چار بجے تمام رفقاء تہجد کے لیے بیدار ہوئے۔ اذان کے بعد نماز فجر ادا کی گئی۔ نماز کے بعد مطالعہ حدیث کیا گیا جس میں حضور ﷺ کی مشہور حدیث کا تذکرہ ہوا کہ "میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں: (۱) جماعت کے ساتھ منسلک رہو (۲) امیر کی سنو (۳) اس کی اطاعت کرو (۴) ہجرت کرو (۵) اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو"۔

مطالعہ حدیث کے بعد مقامی امیر نے سلسلہ وار درس قرآن دیا اور اجتماعی دعا کے ساتھ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ (رپورٹ: نور محمد لاکھیر)

تنظیم اسلامی راولپنڈی کینٹ کی شب بیداری

تنظیم اسلامی راولپنڈی کینٹ کے زیر اہتمام ہر ماہ شب بیداری کا اہتمام ہوتا ہے۔ ماہ دسمبر 2005ء کی 22 تاریخ کو اس شب بیداری کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ نماز عصر کے بعد تمام رفقاء مسجد الصدیق میں اکٹھے ہوئے۔ عصر سے مغرب تک پورے اہل محلّہ کو مغرب کی نماز کے بعد درس میں شرکت کی دعوت دی۔ مغرب کی نماز کے بعد محترم اشتیاق صاحب نے درس دیا۔ جس کا موضوع تھا: "اسلام پر نظریاتی یلغار اور ہماری ذمہ داریاں"۔ محترم اشتیاق صاحب نے بڑے ہی دلکش انداز میں اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی۔ بعد میں موجودہ حالات پر سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔ اس کے بعد محترم ناظم دعوت طارق محمود صاحب نے قرب قیامت کے حوالے سے احادیث کا مطالعہ کروایا۔ اس کے بعد تمام رفقاء نے اپنا اپنا تعارف کروایا۔ تعارف کے بعد امیر کینٹ محترم رؤوف اکبر نے تنظیم کی قرارداد تاسیس کا مطالعہ کروایا۔ پروگرام کے آخر میں مقامی امیر تنظیم محترم رؤوف صاحب نے نئے رفقاء کو اگلی شب بیداری کے لیے موضوعات دیئے تا کہ وہ تیاری کر کے آئیں اور بیان کریں۔ آخر میں معتمد نے تنظیمی اعلانات پڑھ کر سنائے' جن میں سب سے اہم پروگرام یہ تھا کہ آنے والے ہفتہ سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا بذریعہ ویڈیو دورہ ترجمۃ القرآن شروع کیا جا رہا ہے جو کہ ان شاء اللہ ہر ہفتہ اور اتوار کو تنظیم اسلامی کے دفتر میں ہوگا۔ آخر میں دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔ اس شب بیداری میں 16 رفقاء نے شرکت کی مغرب کے بعد درس میں تقریباً 35 رفقاء اور احباب نے شرکت کی۔ (رپورٹ: شکیل احمد)

تنظیم اسلامی کے تحت فروری اور مارچ 2006ء میں ہونے والے آئندہ پروگراموں کا شیڈول

فروری:

☆ کراچی میں مبتدی اور ملتزم رفقاء کے لیے تربیت گاہ

4 تا 10 فروری

☆ لاہور میں مبتدی اور ملتزم رفقاء کے لیے تربیت گاہ

19 تا 25 فروری

☆ امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کا دورہ حلقہ زیریں و بالائی سندھ

9 تا 12 فروری

☆ امیر تنظیم اسلامی کا دورہ حلقہ جنوبی پنجاب 18 فروری تا 20 فروری

مارچ:

☆ شعبہ دعوت کے زیر اہتمام 5 تا 7 مارچ سہ روزہ دعوتی پروگرام ملتان میں ہوگا۔ اس پروگرام کو جناب رحمت اللہ بٹر اور محمد اشرف وصی صاحبان "Conduct" کریں گے۔ رفقاء و احباب سے شرکت کی درخواست ہے۔

☆ لاہور میں مبتدی تربیت گاہ: 12 تا 18 مارچ

☆ لاہور میں 19 مارچ کو توسیعی مشاورت کا پروگرام ہوگا۔ اس میں حلقہ جات لاہور' گوجرانوالہ' بہاولنگر' وسطی پنجاب' غربی پنجاب' اور جنوبی پنجاب سے رفقاء شریک ہوں گے۔

☆ امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کا دورہ

i) حلقہ سرحد جنوبی: 4 تا 6 مارچ

ii) حلقہ وسطی پنجاب: 10 تا 12 مارچ

iii) حلقہ زیریں سندھ: 23 تا 24 مارچ

عراقی پارلیمانی انتخابات کے نتائج

عراق کی حکومت نے انتخابات کے نتائج کا اعلان کر دیا ہے۔ اس کے مطابق شیعہ جماعتوں کے اتحاد یونائیٹڈ عراقی الائنس نے کل ووٹوں میں سے 41 فیصد ووٹ حاصل کر کے نئی پارلیمنٹ کی 275 نشستوں میں سے 128 جیت لی ہیں۔

پچھلے سال ہونے والے عارضی پارلیمانی انتخابات میں عراقی الائنس نے 140 نشستیں جیت کر پارلیمان میں اکثریت حاصل کر لی تھی۔ حالیہ پارلیمانی انتخابات میں سنی جماعتوں نے بھی حصہ لیا۔ الائنس کی نمایاں جماعتوں میں وزیراعظم ابراہیم جعفری کی دعوۃ پارٹی اور عبدالعزیز حکیم کی سپریم کونسل فاردی اسلامک ریولوشن کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

کردوں کی مرکزی سیاسی جماعت' کرد اتحاد صرف 53 نشست جیت سکی۔ یہ اتحاد کردوں کی دو جماعتوں' کرد جمہوری پارٹی اور پیٹریاٹک یونین آف کردستان پر مشتمل ہے اس بار کرد اسلامی جماعت نے علیحدہ انتخابات لڑ کر 5 نشستیں جیتیں ہیں۔ کرد اتحاد نے عراقی الائنس کے ساتھ مل کر حکومت بنا رکھی ہے۔ اتحاد کے اہم رہنما' جلال طالبانی اس وقت عراق کے صدر ہیں اور ماہرین کا خیال ہے کہ وہی دوبارہ صدر بنیں گے۔

سنی جماعتوں کے اتحاد نے اس بار 58 نشستیں جیتی ہیں۔ عراقی آئین کی شدید مخالفت کرنے والی سنی جماعت' نیشنل ڈائلوگ فرنٹ نے 11 اور ری کونسیلیشن اینڈ لبریشن بلاک لسٹ نے تین نشستیں جیتیں۔ ترکمان عراقی فرنٹ' یزدی اور عیسائی اقلیتوں کو بھی ایک ایک نشست ملی۔

انتخابات کے نتائج سے ظاہر ہے کہ عراقی شیعہ' سنی کرد وغیرہ میں بٹ گئے ہیں اور یہ امر بحیثیت ایک مملکت کے عراق کے لیے بڑا خطرناک ہے۔

ابراہیم روگوہ کی وفات

نوے کے عشرے میں جب روس کی طرح یوگوسلاویہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوا' تو بوسنیا میں سربوں نے منظم انداز میں وہاں ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام کیا اور آج کل وہاں اقوام متحدہ کی فوج نے امن برقرار رکھا ہوا ہے۔

آج کا یوگوسلاویہ سربیا اور مونٹی نیگرو پر مشتمل ہے۔ سربیا کے علاقے کوسووہ میں 90 فیصد سے زیادہ آبادی مسلمان ہے۔ انہوں نے اپنے سے کہیں طاقت ور سرب فوج کا مقابلہ کیا اور اپنے مسئلے کو بین الاقوامی سطح پر اجاگر کیا۔ آخر عالمی رائے عامہ کے شدید دباؤ کے بعد سرب حکومت کوسووہ کا انتظام مسلمانوں کو دینے پر رضا مند ہوگئی۔ آزادی پسند ابراہیم روگوہ کوسووہ کے پہلے مسلمان صدر بن گئے۔

اگلے بدھ سے اقوام متحدہ کی زیر نگرانی کوسووہ اور سربیا میں آزادی کے سلسلے میں باضابطہ انتخابات ہونے تھے۔ 61 سالہ روگوہ تہیہ کیے ہوئے تھے کہ وہ کوسووہ کو آزادی دلا کر رہیں گے' مگر بدقسمتی سے پھیپھڑوں کے سرطان نے انہیں مزید جینے کی مہلت نہ دی۔ ان کی وفات سے کوسووہ کے باشندوں اور آزادی حاصل کرنے کی تحریک کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔

ایران پر صیہونی دباؤ

اسرائیل اور امریکا کے بوکھلائے ہوئے بیان پڑھ کر یوں لگتا ہے کہ ایرانیوں نے ایٹم بن بنا لیا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ پچھلے دنوں ایرانی صدر احمد نژاد نے شام کا دورہ کیا۔ شام بھی آج کل امریکا کے زیر عتاب ہے کیونکہ وہ دیگر مسلمان ممالک کی طرح اس کا چمچہ بننے کے لیے تیار نہیں۔ ملاقات کے موقع پر شامی صدر بشار الاسد نے صدر نژاد کو بتایا کہ ایران کو پُرامن مقاصد کے لیے ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ انہوں نے یہ بڑی اہم بات بھی کہی:

''ہم بھی چاہتے ہیں کہ مشرق وسطیٰ ایٹمی ہتھیاروں سے پاک خطہ بن جائے' اس لیے آغاز اسرائیل سے ہونا چاہیے۔''

فلسطین کے پارلیمانی انتخابات

عرصہ دس سال بعد 25 جنوری کو فلسطین میں پارلیمانی انتخابات ہوئے۔ ان میں حماس نے بھی حصہ لیا جسے اسرائیل' امریکی اور یورپی یونین والے ''دہشت گرد تنظیم'' سمجھتے ہیں۔ اسی لیے حماس نے ''تبدیلی اور اصلاح'' (Change and reform) تحریک کے نام سے انتخابات میں حصہ لیا۔ جائزوں کے مطابق حماس کل ووٹوں میں سے 40 فیصد ووٹ لے کر پارلیمنٹ کی دوسری بڑی جماعت بن جائے گی۔

حماس کا زور غزہ کی پٹی میں زیادہ ہے اور اُسے اُمید ہے کہ وہاں کی تمام نشستیں اسی کے حصے میں آئیں گی۔ یوں حکمران جماعت' الفتح کو اس بار بڑی مضبوط حزب اختلاف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور اگر حماس برسراقتدار آ گئی تو حالات کافی نازک صورت حال اختیار کر سکتے ہیں۔ حماس کا نظریہ یہ ہے کہ یہودیوں نے ارض فلسطین پر قبضہ کر رکھا ہے' اس لیے وہ غاصب ہیں اور اسرائیل کو ہر حال میں نیست و نابود ہو جانا چاہیے۔ ادھر امریکا' یورپی یونین اور اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ فلسطین پر وہ سیاسی جماعت حکومت کر سکتی ہے جو اسرائیل کے قیام کو تسلیم کر لے۔

افغانستان' اسلامی انقلاب

افغانستان کے سابق وزیراعظم اور حزب اسلامی کے سربراہ گلبدین حکمت یار نے افغانستان کو اسلامی انقلاب کے آغاز کے لیے انتہائی موزوں قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ بعض نام نہاد اسلامی گروپوں نے فرقہ واریت میں پڑ کر امت کے وسائل کو ضائع کر دیا ہے۔ انہوں نے افغانستان میں اسلامی انقلاب کے لیے امریکی فوج سے دست بدست لڑائی کی بجائے صرف امریکی فوج کو نشانہ نہ بنانے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کسی بھی اسلامی تحریک کی کامیابی کے لیے وسائل کے ساتھ ساتھ قربانی کا جذبہ' علم' فہم و فراست' خلوص اور ایمان کی ضرورت ہے اور یہ سب کچھ اس وقت افغانستان کے عوام میں موجود ہے۔

شہر حرام

ماہ محرم الحرام' تاریخ کی روشنی میں

ابن العزیز بنگش

لفظ محرم کا "م" مضموم "ح" مفتوح "ر" مشدد اور آخری "م" ساکن ہے۔ محرم کے لغوی معنی معزز و محترم کے ہیں۔ احادیث کے مطابق محرم اللہ کا مہینہ اور شہر حرام (حرمت والا مہینہ) ہے۔ حضور ﷺ نے رمضان المبارک کے بعد روزہ کے لیے اس مہینہ کو تمام مہینوں سے بہتر اور افضل قرار دیا ہے۔ (مسلم شریف ص 368 ج 1) اس ماہ میں کوئی مخصوص عمل فرض یا واجب نہیں البتہ دس محرم کا روزہ رکھنا مسنون عمل ہے نیز 9 یا 11 تاریخ کو بھی روزہ رکھنے کی تعلیم ہے تاکہ یہودیوں سے مشابہت نہ ہو۔ ان روزوں کی فضیلت کا ذکر احادیث میں اہتمام سے ملتا ہے اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ماہ محرم کی فضیلت سیدنا حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کی وجہ سے نہیں بلکہ بہت پہلے سے ہے۔

اس مہینے کی دس تاریخ کو حسب ذیل واقعات ہوئے۔

1۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔

2۔ حضرت ادریس علیہ السلام کو درجات عالیہ عنایت ہوئے۔

3۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری۔

4۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نارِ نمرود سے نکالا گیا۔

5۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل سے چھٹکارا ملا۔

6۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹائی گئی۔

7۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے نجات پائی۔

8۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا۔

9۔ اس روز اہل مکہ غلاف کعبہ چڑھایا کرتے تھے۔

10۔ حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا تیار ہوا اور روح پھونکی گئی۔

اس کے علاوہ سیدنا حضرت حسینؓ کی شہادت بھی اسی روز ہوئی۔

اور اس مہینے میں حسب ذیل واقعات بھی ہوئے ہیں

1۔ اس مہینے کی پہلی تاریخ کو سیدنا عمر فاروقؓ کی شہادت ہوئی (7ھ بمطابق 11 مئی 628ء)

2۔ سیدنا حسینؓ کے سچے جان نثار حضرت مسلم بن عقیلؓ بھی اس مہینے میں شہید کیے گئے۔

3۔ بادشاہ یمن کی ہلاکت ہوئی۔

4۔ حضرت علیؓ کا نکاح حضرت فاطمہؓ کے ساتھ محرم 3ھ جولائی 623ء میں ہوا۔

5۔ حضرت عثمانؓ کا نکاح حضرت ام کلثومؓ کے ساتھ جولائی 624ء اسی ماہ بمطابق ہوا۔

6۔ غزوہ خیبر یکم محرم 7ھ 11 مئی 628ء کو پیش آیا۔

7۔ نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کا نکاح حضرت صفیہؓ کے ساتھ محرم 7ھ جون 628ء کو ہوا۔

8۔ خلافت عثمانؓ محرم 24ھ نومبر 644ء کو قائم ہوئی۔

9۔ خلافت علیؓ محرم 36ھ جون 656ء کو وقوع پذیر ہوئی۔

10۔ واقعہ جنگ صفین حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ محرم 37ھ جون 657ء کو پیش آیا۔

11۔ حضرت ایوب انصاریؓ محرم 51ھ جنوری 671ء میں فوت ہوئے۔

12۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے محرم 55ھ دسمبر 674ء میں وفات پائی۔

13۔ ام جویریہؓ بنت حارث نے 10 محرم 54ھ نومبر 675ء کو انتقال فرمایا۔

14۔ واقعہ کربلا 10 محرم 61ھ اکتوبر 680ء کو پیش آیا۔

ضرورت ہے

[illegible]

Inpage 2000 (Withgraphic Tools)
40/50 speed
MS Office, Corel Draw

[illegible]

021-4993464-5
E-mail: sind@tanzeem.org

ملتزم اور مبتدی تربیت گاہ

ملتزم اور مبتدی رفقاء کے لیے سال رواں کی پہلی تربیت گاہ منعقد ہو رہی ہے (ان شاء اللہ)

بمقام **قرآن اکیڈمی' کراچی**

آغاز 4 فروری 2006ء بروز ہفتہ بوقت نماز عصر

اختتام 10 فروری بوقت نماز جمعہ

زیادہ سے زیادہ ملتزم و مبتدی رفقاء تربیت گاہ میں شرکت کریں۔

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت تنظیم اسلامی

النصر لیب

مستند اور تجربہ کار ڈاکٹروں کی زیر نگرانی ادارہ ایک ہی چھت کے نیچے تمام اقسام کے معیاری لیبارٹری ٹیسٹ' ایکسرے' ای سی جی اور الٹرا ساؤنڈ کی سہولت

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی نگاہ میں قابلِ اعتماد ادارہ

خصوصی پیکج [illegible] Elisa Method/ [illegible] 2000 روپے میں کرائیں۔

ISO 9001:2000
QMS CERTIFIED CLINICAL LAB
BY MOODY INTERNATIONAL

النصر لیب: 950۔ [illegible]

فون 5162185-5163924 موبائل 0300-840094
E-mail: alnasar@brain.net.pk Website.

فلک سیر (ٹورسٹ) ریزورٹ ساگر ریسٹورنٹ
ملم جبہ' سوات

9,600 فٹ بلندی پر واقع وادی سوات کے نہایت دلفریب اور پرفضا مقام **ملم جبہ** میں قیام و طعام کی بہترین سہولتوں سے آراستہ

جدید تعمیر شدہ شاندار ہوٹل

مینگورہ سے چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر اور سیاحت کارپوریشن پاکستان کی چیئر لفٹ سے چار کلومیٹر پہلے کھلے اور روشن کمرے' نئے قالین' عمدہ فرنیچر' صاف ستھرے ملحقہ غسل خانے' اچھے انتظامات اور اسلامی ماحول

رب کائنات کی خلاقی و صناعی کے پاکیزہ و دلفریب مظاہر سے قلب و روح کو شاد کام کرنے کا بہترین موقع

تحریکی بھائیوں کے لئے خصوصی رعایت

فلک سیر کارپوریشن' جی ٹی روڈ' امانت کوٹ' مینگورہ سوات

فون دفتر: 0946-725056' ہوٹل: 0946-835295' فیکس: 0946-720031

Vol: 15 Regd. No. LRL -50 No. 4

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: abidjan@tanzeem.org)

Pounding Pakistan to Soften the "High Value Target"

The fact: US Aircraft from Afghanistan attacked Pakistan and killed 18 people.

The initial reaction: Lieutenant-Colonel Jerry O'Hara, a US military spokesman in Afghanistan, said there were no reports of US forces operating in the Damadola area. Major-General Shaukat Sultan, the military spokesman, said he did not know the cause of the blasts, but said: "People heard explosions and as a result there were a number of casualties. My information is that 11 to 14 people have been killed."

The spin: CNN quoted sources saying the CIA ordered Friday's strike after receiving intelligence information that al-Zawahiri was in a village near the border with Afghanistan. ABC News quoted Pakistani military sources as saying that five of those killed were "high-level" al-Qaida figures.

The analysis: The above mentioned fact, the initial reactions and the spin on the events put within 24 hours give rise to a number of questions and confirm many earlier conclusions.

The first question is: Where was Lieutenant-Colonel Jerry O'Hara and company sleeping when the attack was being carried out? Capturing Osama, Zawahiri and Mullah Umar "dead or alive" was the primary justification for this war of aggression on Afghanistan. How was the January 13 mission carried out in such a secrecy that high ranking officials of neither of the allies—Pakistan and the United States —were in picture? Yet CNN and ABC News confirmed within hours that the mission was for eliminating "high value" figures.

The age of falsehood seems to be coming to an end because any more lies simply expose the earlier lies and confirm the malicious intentions of the religiously motivated totalitarians in the United States, running the show on political, media, academic and military fronts.

If we quickly go back to March 2004, Colin Powell unveiled the plan to classify Pakistan as a "major non-NATO ally" and refrained from publicly criticizing Musharraf's handling of the controversy over Abdul Qadeer Khan. In a reciprocal move, Pakistan's military dictator had to send tens of thousands of troops to occupy South Waziristan, and claim the surrounding of a "high-value target" from Al-Qaeda. Many lives have been lost since then but the "high-value-target" still remains one of the post September 11, 2001 mysteries.

The impossibility of the US forces missing the "high value targets" since 9/11 is evident from the London Times November 18, 2001 story in which it describes effectiveness of Predator spy planes, capable of staying aloft for 24 hours on station, and JSTARS surveillance planes, equipped with radar that can monitor ground movements across a vast area. It is absolutely impossible that Osama, Zawahiri and others would escape the the Predators, providing live television pictures to control rooms at the US Central Command in Tampa, Florida for the past four years.

This brings us to the conclusion that the high value target is actually Pakistan. Osama and company will be paraded on the television screens until nuclear Pakistan is fully neutralized. It is the same game that is being played to neutralize Iran. The modus operandi is different because of some key factors, such as a) Pakistan's usefulness in the US aggression and occupation of Afghanistan; b) Pakistan having nuclear arms and Pakistan under the indirect occupation of its armed forces, doing everything for Washington in the most obedient manner possible.

The purpose for lying about a "high value target" in tribal areas is just like the US claims about Weapons of Mass Destruction in Iraq. The objective is to gradually gain control over Pakistani air space on the pattern of the illegal no-fly-zones over Iraq and to use Pakistani forces for a war on Pakistan—for invasion, occupation, massacres, home demolitions and human right abuses-like any other occupation army. The occupation of South Waziristan was almost like invading another nation. This is the physical aspect of the grand project aimed at promoting the American version of Islam and eliminating all possible sources of future resistance.

In 2004, well before Musharraf's declaration of a "high value target," the US had forced Pakistan to take all the necessary steps for a successful operation in areas which might produce a future Pakistani Taliban that could potentially launch a resistance against a direct US occupation of Pakistan. Stephen Cohen, writing in Washington Quarterly, warned that Islam "may now be the vehicle for Pashtun nationalism." He reflected the fear that dwells in the heart of many Islamophobes that Pashtun nationalism might align with "Islamic radicalism." In that eventuality he fears the puppet "regime in Kabul and the integrity of Pakistan could be threatened."

Pakistan's ideological demise is by now a universally accepted reality. But that is not sufficient to pacify the anti-Islam ideologues. Besides its ideological demise, all factors and structures that keep a state intact from within have either given up altogether or are quickly collapsing. Pakistan is presently at the mercy of foreign forces. These factors coupled with its nuclear bombs have made it a high value target. The strategic approach demands that Pakistan should not be treated like Afghanistan and Iraq.

The forces that keep Pakistan alive are the very forces planning its gradual downfall. They are sustaining it only to achieve specific objectives. The most strategic of these objectives is converting 162 million people to the American version of "moderate Islam." The more the US pounds its supine leadership politically and its people militarily, the easy it is for it to make them submit to every demand from Washington: from changing school curriculum, to eliminating religious institutions, to engaging it in the aggressive designs against Iran.

Scanning reports of the embedded media and think thanks in the US clearly shows how Pakistan is presented as a threat, larger than the inflated threat of the Taliban's government at its peak. Pounding this target in different ways is a must. Musharraf once said, Pakistan is next after Iraq.

Addressing a meeting of businessmen and industrialists in Lahore on January 18, 2003, Musharraf said it was being speculated that Pakistan would become the target of "western forces" after Iraq crisis and there were chances of such an eventuality. Musharraf was quoted as saying by The News daily (January 19, 2003): "We will have to work on our own to stave off the danger. Nobody will come to our rescue." The more he tries to avoid the US aggression in a disgraceful manner, the more disgrace is becoming a destiny for Pakistan.

The author's latest book, "The Musharraf Factor: Leading Pakistan to Inevitable Demise," explains in detail the factors that have made Pakistan the high value target.